Regd. L. No. 7243 Phone

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

مارچ 1980

اس پرچہ میں :

۱۔ اسلامی نظام کس طرح قائم ہوگا ؟

۲۔ کمیونزم کیا ہے ؟

شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی۔ گلبرگ ۲ لاہور

قیمت فی پرچہ 3 روپے

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

بدلِ اشتراک
سالانہ
پاکستان -/۳۶ روپے
غیر ممالک -/۳ پونڈ

ٹیلیفون نمبر ——— ۸۸۰۸۰۰
خطوکتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ ۲ - لاہور

قیمت فی پرچہ
۳
تین روپے

جلد ۳۳	مارچ ۱۹۸۰ء	شمارہ ۳

فہرست

۱- لمعات — — — — — — (پاکستان اسلامی مملکت کیوں نہ بن سکا؟) ———— ۲

۲- کمیونسٹوں کو قائدِ اعظم کی وارننگ — — — — — — — — — ۹

۳- مارکسزم کیا ہے؟ — — — ("دینِ حقہ" کے مدِمقابل "دینِ باطل") — — — — — ۱۰

۴- اسلامی نظام کس طرح قائم ہوگا؟ —— (خصوصی درس محترم پرویز صاحب) —— (بتقریب سعید عبداللہ الحق) ۱۸

۵- عالمِ افلاک اور قرآنِ عظیم — — — (ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب) — — — — — — ۴۲

۶- حقائق و عبر — — — (۱) اسلامی نظام کے متعلق تحقیق (۲) حج کا مقصد (۳) قرآن فہمی کا انوکھا طریقہ — ۴۹

۷- محمد ظریف کے مکانوں کا کرایہ — — — (محمد شاہد عادل صاحب) — — — — — — ۵۴

۸- نقد و نظر — — — — (مکاشفۃ القلوب مصنفہ امام غزالیؒ) —— (مترجم قاری محمد عطاء اللہ صاحب) ۵۷

۹- فہرست معلمان قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی — — — — — — — — — — — ۶۱

۱۰- قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی — — — (معطیان کی خدمت میں) — — — — — — ۶۳

۱۱- قرآنی درس کے اعلانات وغیرہ — — — — — — — — — — — ۶۴

ایڈیٹر۔ محمد خلیل۔ ناشر سراج الحق۔ مقامِ اشاعت ۲۵ بی گلبرگ ۲۔ لاہور۔ پرنٹر۔ شیخ نیاز احمد۔ مطبوعہ علمی پرنٹنگ پریس ۷، ہسپتال روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

(پاکستان اسلامی مملکت کیوں نہ بن سکا؟)

حال ہی میں لنڈن ویک اینڈ ٹیلی ویژن کے نمائندہ مسٹر (NELSON MEWS) نے محترم اعجاز فاروقی چیئرمین نیشنل پریس ٹرسٹ کا انٹرویو لیا جو اسلام آباد سے شائع ہونے والے انگریزی روزنامہ مسلم کی اشاعت بابت ۸ فروری سنہ۱۹۹۱ء میں چھپا ہے۔ محترم فاروقی صاحب سے ہمارا ذاتی تعارف نہیں اور ان کے خیالات بھی پہلی مرتبہ ہمارے سامنے آئے ہیں۔ ان کے انٹرویو کو پڑھ کر ہمیں خوشی ہوئی کہ ملک میں ایسے ارباب فکر و دانش موجود ہیں جو کو الف اور حقائق کا دقت نظر سے تجزیہ کرتے اور اس کے نتائج کا جرأت مندانہ انداز سے اظہار کرتے ہیں۔ اس انٹرویو کے پہلے تین سوالات کا تعلق اس موضوع سے ہے کہ برصغیر ہندوپاک میں اسلام کب آیا اور کس طرح پھیلا۔ چوتھے سوال سے بات یوں شروع ہوتی ہے کہ پاکستان اسلامی مملکت کیوں نہ بن سکا۔ ہم اس انٹرویو کو (بزبانِ اردو) یہیں سے شروع کرتے ہیں۔

(۱) سوال — پاکستان کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ اسے اسلامی مملکت بننا چاہیئے تھا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب — اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں زمامِ اقتدار تھی ان کے سامنے مغرب کی سیکولر اسٹیٹ کا ماڈل تھا لیکن یہ ماڈل پاکستان کے عوام کی تمناؤں کے خلاف تھا جن کا خیال تھا کہ پاکستان کو اسلامی مملکت بننے کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔ اس سے طبقۂ بالا اور عوام کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ طبقۂ بالا پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بھی نہ بنا سکا۔ عوام اس کے خلاف تھے اور وہ اسے اسلامی مملکت بنانے کے لئے برابر آواز بلند کرتے رہے تھے۔ یہ وجہ تھی جو پاکستان اسلامی مملکت نہ بن سکا۔

(۲) سوال — اگر حکمران طبقہ اس مغربی سیکولر اسٹیٹ کو بطور نمونہ اپنے سامنے رکھتا تھا جو اہلِ پاکستان کے مزاج کے مطابق نہیں تھا کیونکہ ان کے نزدیک پاکستان اسلامی مملکت بننے کے لئے حاصل کیا گیا تھا، تو علماء نے شروع ہی میں اس مسئلے کو اپنے ہاتھ میں کیوں نہ لے لیا؟

جواب — علماء نے پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کے لئے جدوجہد کی۔ ملک میں آئین سازی کی تاریخ درحقیقت علماء اور حکمران طبقہ میں کشاکش کی تاریخ ہے۔ علماء حضرات پاکستان میں اسلامی قوانین کا نفاذ چاہتے تھے۔

حکمران طبقہ کے سامنے مغرب کا جمہوری نظام تھا جس کی رو سے آئین اور قوانین سازی کے اختیارات مجالس دستور و قوانین ساز کے اراکین کو حاصل ہوتے ہیں جو عوام کے نمائندگان پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس علماء کا مؤقف یہ تھا کہ اس قسم کی مجالس آئین و قوانین ساز ایک اسلامی مملکت کے لئے قوانین وضع کرنے کی اہل ہی نہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ علماء کی ایک ایسی کونسل مقرر کی جائے جو قوانین سازی کے امور کی نگران ہو اور جس کا فیصلہ اس باب میں حرفِ آخر قرار پائے۔ (بالفاظ دیگر یہ حضرات قوانین سازی کے کلی اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے۔ ناقل) اس طرح علماء اور اہلِ پاکستان میں ایک اور نزاع پیدا ہو گئی۔ لوگ چاہتے تھے کہ قوانین سازی کے اختیارات ان کے منتخب کردہ نمائندگان کے ہاتھ میں ہوں اور علماء ان اختیارات کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے۔ یہ تھی عوام اور علماء میں وجہ نزاع۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی مملکت کا جو تصور علماء پیش کرتے تھے وہ باشندگانِ مملکت کے نزدیک قابلِ قبول کیوں نہیں تھا؟ میرے نزدیک اس کی وجہ علماء کا جمود اور تصلّب تھا۔ ان کا نقطۂ نظر انتہائی قدامت پرستانہ اور جامد تھا۔ ان کا مؤقف یہ تھا کہ اسلام کی جو تعبیر پہلی یا دوسری صدی ہجری کے فقہاء کر چکے ہیں وہ حرفِ آخر ہے اور غیر متبدل۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم زمان و مکان (کی گردش کے ساتھ) حرکت کرتے ہیں اس لئے عوام کے لئے وہی نظام قابلِ قبول ہو سکتا ہے جو متحرک ہو اور اس قابل کہ وہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دے سکے۔ علماء کا پیش کردہ اسلام جامد اور غیر متبدل تھا اور لوگ اپنی عقلِ عامہ اور فہم و شعور کی بناء پر اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کرتے تھے کہ اس قسم کا اسلام ان کی روزمرہ کی زندگی کے لئے مفید مطلب اور کارفرما نہیں ہو سکتا۔

(۲) **سوال** ـــــ تشکیلِ مملکت کے بعد جو مذہبی نظریہ ان علماء نے پیش کیا وہ کس قسم کا تھا اور یہ کیسے لوگ تھے؟

جواب ـــــ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں یہ قدامت پرست طبقہ تھا جس کا مؤقف اسلام کی اس تعبیر کا مظہر تھا جو پہلی یا دوسری صدی ہجری کے فقہاء نے مرتب کی تھی۔ علاوہ ازیں پاکستان میں سنّی اور شیعہ، مسلمانوں کے دو بڑے بڑے فرقے ہیں۔ سُنّیوں کے نزدیک فقہ کے چار امام ہیں جن کے وضع کردہ قوانین حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے برعکس شیعہ حضرات کے نزدیک یہ حیثیت ان کے بارہ اماموں کو حاصل ہے۔ بنیادی شکل یہ تھی کہ اِن حضرات کا مسلک اپنے اپنے فقہاء کے پیش کردہ اسلام کی اندھی تقلید تھا (جیسا کہ ظاہر ہے) ان فقہاء کا زمانہ پہلی یا دوسری صدی ہجری تھا اور جو مسائل اُس وقت ان کے پیشِ نظر تھے وہ ہمارے زمانے کے مسائل سے مختلف تھے۔ عرب معاشرہ بنیادی طور پر قبائلی تھا اور ان کی معیشت گلہ بانی۔ جب اسلام بیرونِ عرب ممالک میں پہنچا، جن کی معیشت زرعی تھی، تو ان کے معاشرہ کے مسائل زیادہ پیچیدہ تھے جب مسلم فقہاء کو ان مسائل سے دوچار ہونا پڑا تو انہیں (لامحالہ) اسلام کی ایسی تعبیرِ نو کرنی پڑی جو اس جدید معاشرہ کے حسبِ حال ہو۔ ہم اسی نظیر کو آگے بڑھا کر دورِ حاضرہ میں پہنچتے ہیں جہاں کی معیشت صنعتی ہے۔ جس طرح سابقہ دور کے مسلم فقہاء نے زرعی معیشت کے سلسلے میں اسلام کی ایسی تعبیرِ نو کی تھی جو اس سے ماقبل معاشرہ میں پیش کردہ تعبیر سے مختلف تھی، اسی طرح اب ضروری ہے کہ دورِ حاضرہ کی صنعتی معیشت کے پیشِ نظر اسلام کی تعبیرِ نو کی جائے کیونکہ ہمارے زمانے کے مسائل سابقہ ادوار کے مسائل سے بہت مختلف ہیں۔ لیکن ہمارے علماء کا جمود اور قدامت پرستی کسی تعبیرِ نو

کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ وجہ ہے جو لوگ سمجھتے ہیں کہ جو اسلام علماء پیش کرتے ہیں وہ ان کے لئے مفید مطلب نہیں ہو سکتا۔

(۴) سوال —— جو کچھ آپ نے کہا ہے اس سے ماضی کا نقشہ سامنے آجاتا ہے لیکن کیا آپ کا خیال ہے کہ جس طرح گلہ بانی کی معیشت کے زرعی معیشت میں بدلنے سے معاشرہ کے احوال و کوائف میں تبدیلی آگئی تھی اسی طرح اب جب کہ ہم زرعی معیشت سے صنعتی معیشت کی طرف آ گئے ہیں اور معاشرہ کے مسائل زیادہ پیچیدہ ہو گئے ہیں، اسی قسم کے حالات پھر پیدا نہیں ہو گئے؟ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ (جس طرح سابقہ فقہائے زمانے کے تقاضوں کے بدلنے کے ساتھ اپنے موقف میں تبدیلی کرلی تھی اسی طرح اب —— ناقل) یہاں کے علماء اپنے مسلک میں تبدیلی کر کے اسلام کا ایسا قالب پیش کریں گے جو لوگوں کے تقاضوں اور ضروریات کو پورا کر سکے؟

جواب —— (مشکل یہ ہے کہ) علماء کی تعلیم قدیم روایات کے تحت ہوئی ہے۔ (زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دینے کے لئے —— ناقل) ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ عصر حاضر اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے کے لئے اپنے سینے میں کشاد پیدا کریں۔ یہ سب سے پہلی ضرورت ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کتنے علماء ہیں جنہوں نے عصر حاضر کے تقاضوں کو سمجھنے کے لئے اپنی نگاہ میں وسعت اور سینے میں کشاد پیدا کی ہے؟ لہٰذا، اس ضمن میں پہلا سوال یہی ہے کہ کیا علماء اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکیں گے۔

اس ملک میں ایک ایسا طبقہ موجود ہے جسے قدیم روایتی اسلام کا بھی کافی علم حاصل ہے اور جس کا سینہ عصر حاضر کے تقاضوں اور مسائل کو سمجھنے کے لئے کشادہ بھی ہے۔ یہ حضرات اسلام کی تعبیر نو کی کوشش کر رہے ہیں لیکن ایک تو ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور دوسرے وہ زیادہ مؤثر بھی نہیں۔ وہ ابھی تک عوامی (POPULAR) سطح پر نہیں آئے۔ اسلام کی تعبیر نو کے سلسلے میں یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔

(۵) سوال —— کیا آپ بتائیں گے کہ سنہ ۱۹۴۷ء کے لگ بھگ علماء کا یہ جمود اور فرقے وارانہ اختلاف اسلامی مملکت کے قیام کے لئے ایک متحدہ محاذ قائم کرنے کے راستے میں ان کے لئے کس طرح رکاوٹ بنا رہا۔

جواب —— اصل سوال تو ذہنیت اور نقطہ نگاہ کا ہے۔ یہ ان علماء کا جمود اور قدامت پرستی ہے جو انہیں سیدھی فرقے وارانہ سطح پر پہنچا دیتی ہے۔ ایک فرقے کے علماء کی اسلامی تعبیر دوسرے فرقے کی تعبیر سے مختلف تھی (اس لئے وہ ایک متحدہ محاذ نہیں بنا سکتے تھے —— ناقل) اختلافات دور کرنے کے لئے عمل تخلیق کی ضرورت ہوتی ہے اور جمود اور قدامت پرستی عمل تخلیق کو فنا کر دیتی ہے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے جو یہ علماء کبھی ایک محاذ پر متفق نہیں ہو سکتے۔ وہ گاہے ماہے کسی ہنگامی مقصد کی خاطر یکجا ہو بھی جاتے ہیں لیکن جب وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو پھر الگ الگ ہو جاتے ہیں۔

(۶) سوال —— (اس تمام بحث کی روشنی میں) آخری سوال مستقبل کے متعلق سامنے آتا ہے۔ جب صورت حال یہ ہے کہ مغرب کا سیکولر نظام عوام کے لئے قابل قبول ہو نہیں سکتا اور علماء حضرات عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی تعبیر نو کے لئے آمادہ نہیں تو کیا کوئی تیسری راہ ہے جس پر یہ ملک چل نکلے گا؟

جواب —— اس ملک میں دو طبقات ہیں جنہیں پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ ایک وہ تعلیم یافتہ طبقہ جس کی تعلیم مغرب کی سائنٹفک اور مبنی بر علم و بصیرت (RATIONAL) روایات کے مطابق ہوئی ہے۔ انہوں نے اسی قسم کا

اندازِ فکر اختیار کر رکھا ہے۔ دوسرا طبقہ عوام کا ہے جو "روحانی تشفی" کا خواہاں ہے اور سمجھتا ہے کہ اسے یہ تشفی اسلام ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اصل سوال مادی اور روحانی عناصر کے باہمی امتزاج کا ہے۔ جو مغربی کلچر ہمارے عوام کے سامنے آیا انہوں نے دیکھا کہ وہ بالکل کھوکھلا ہے اور زندگی کی اخلاقی اقدار سے عاری۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ خود مغرب اپنے اخلاقی اقدار سے عاری کلچر سے تنگ آ کر کس طرح ایک ایسے کلچر کی تلاش میں مارے مارے پھر رہا ہے جس میں مادی اور روحانی عناصر کا امتزاج ہو۔ اُن کے اسی عدم اطمینان اور اضطراب قلب کا نتیجہ ہے کہ وہاں یوگ اور سکھ ازم جیسے عجیب و غریب مسالک بار پا رہے ہیں۔ بنابریں مغربی نظام ہمارے عوام کے لئے کبھی قابلِ قبول (ناقل) نہیں بن سکتا۔ یہ لوگ اسلام سے یہ توقعات وابستہ کئے ہوئے ہیں کہ وہ ان کے تشخص اور تعمیرِ خویش کی تمناؤں کو پورا کر سکے گا۔ اگر وہ لوگ جو اس وقت اسلام کے (نام نہاد ـــــ ناقل) علمبردار ہیں اور (بزعمِ خویش ـــ ناقل) اسلامی مملکت کے قیام کے لئے کوشاں ان کی توقعات کو پورا نہ کر سکے تو یہ عوام لامحالہ کسی تیسرے راستے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ یہ تیسرا راستہ وہی ہو گا جو اخلاقی اور روحانی اقدار سے عاری مادہ پرستی کی بنیادوں پہ استوار ہو گا۔ اس راستے کی انتہا کمیونزم ہے جو خالصتاً مادہ پرستی پر مبنی ہے اور جو اخلاقی اقدار کو انسانی زندگی کے لئے ضروری جزو قرار نہیں دیتا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے عوام، جن کے دل میں اسلام کی محبت ہے، کمیونزم کو قبول کر لیں گے۔ اصل یہ ہے کہ اس وقت عوام مروجہ اسلام کی تاریک اور دھندلی فضا میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس میں حقیقی اسلام کے ظواہر اور رسوم تو موجود ہیں لیکن اس کی روح مفقود ہے ـــــ ناقل) اگر موجودہ اسلام ان کی زندگی کو بامقصد نہ بنا سکا اور ان پہ یہ حقیقت بے نقاب ہو گئی کہ یہ اسلام ان کے مقاصدِ حیات کو پورا نہیں کر سکتا تو وہ (اسلام کے ساتھ اُس محبت کی بنا پر جو ان کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہے ـــــ ناقل) اسلام کو یکسر تیاگ نہیں دیں گے۔ وہ اسلام کی رسوم اور ظواہر کو ساتھ رکھتے ہوئے زندگی کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی امور کے لئے کمیونزم کو ایک فعال قوت کے طور پہ اپنا لیں گے اس طرح وہ اپنے اسلام کو بھی ساتھ رکھ سکیں گے اور زندگی کے نئے فلسفہ اور نئے نظام (یعنی کمیونزم یا سیکولرازم ـــــ ناقل) کو بھی اختیار کر لیں گے۔

یہ ہے محترم اعجاز فاروقی صاحب کا انٹرویو۔ ہمیں معلوم نہیں کہ فاروقی صاحب کی نگاہ میں وہ کون سا مختصر سا گروہ ہے جو پاکستان میں حقیقی اسلام کے فروغ اور نفاذ کے لئے کوشاں ہے۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ تحریکِ طلوعِ اسلام گزشتہ چالیس سال سے اسی کوشش میں مصروف تگ و تاز ہے ـــــ "چالیس سال" اس لئے کہ اس نے پہلے تحریکِ پاکستان کے زمانے میں اسلام کے اسی تصوّر کو پیش کیا اور اس کے بعد ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک مسلسل اور متواتر اسی کو پیش کئے چلا آ رہا ہے۔ اس کی طرف سے اسلام کا پیش کردہ تصور یہ ہے:۔

(۱) اسلام اپنی آزاد مملکت ہی میں ایک زندہ حقیقت بن سکتا ہے۔

(۲) جو مملکت خدا کی متعین کردہ حدود اور قیود کے اندر رہتے ہوئے امورِ مملکت سرانجام دے اسے اسلامی مملکت کہا جائے گا۔

(۳) یہ حدود اور قیود قرآن مجید کے اندر محفوظ ہیں اور ہمیشہ کے لئے غیر متبدل۔

(۴) اسلامی مملکت کو اس کا اختیار ہوگا —— بلکہ یوں کہیئے کہ یہ اس کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قوانین خود وضع کرے۔ یہ حدود غیر متبدل رہیں گی لیکن مملکت کے وضع کردہ قوانین قابل تغیر و تبدل ہوں گے۔ بنابریں کسی زمانے میں وضع کردہ قوانین غیر متبدل قرار نہیں پائیں گے۔ ان قوانین کو اسلامی قوانین کہنے کی بجائے اس زمانے کے فقہی قوانین کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ضمناً اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ اسلام کی "تعبیر نو" کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ سوال اسلامی مملکت کے لئے جدید قوانین وضع کرنے کا ہوگا۔

(۵) پاکستان کو اسی قسم کی اسلامی مملکت بنانے کے لئے یہ خطۂ زمین حاصل کیا گیا تھا۔

محترم فاروقی صاحب نے جو یہ فرمایا ہے کہ ہمارے علماء نے اہل پاکستان کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں وہ اسلامی نظام کی طرف سے غیر مطمئن اور دل برداشتہ ہو کر سیکولر نظام کی طرف رُخ کر لیں گے جس کی انتہائی شکل کمیونزم ہے، یہ نہ تو کوئی ہنگامی حادثہ ہے اور نہ ہی علماء کی طرف سے نادانستہ ایسا ہوا ہے۔ ان کی طرف سے ایسا ایک سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق ہوا ہے۔ اس اسکیم کا آغاز تحریکِ پاکستان کے زمانے میں ہوا تھا۔ پاکستان کا مطالبہ اس انداز کی اسلامی مملکت قائم کرنے کے لئے کیا گیا تھا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ علماء کی طرف سے (باستثنائے چند) اس مطالبہ کی سخت مخالفت ہوئی۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ یہ عجیب قسم کا اسلام ہے جو ان لوگوں (علامہ اقبالؒ یا قائداعظمؒ) کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اگر مسلمانوں کو اعتقادات، عبادات اور پرسنل لاز کی آزادی حاصل رہے اور امور مملکت مغرب کے جمہوری نظام کے مطابق طے پاتے رہیں تو اس سے اسلام کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے (مثال کے طور پر) مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) جو اس زمانے میں اس گروہ کے سرخیل تھے، کا ارشاد تھا کہ

> ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی سب شامل ہوں حاصل کرنے کے لئے سب کو متفقہ کوشش کرنی چاہیئے۔ ایسی مشترکہ آزادی اسلام کے اصول کے عین مطابق ہے اور اسلام اس آزادی کی اجازت دیتا ہے۔ (زمزم، مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۳۸ء)

مذہبی آزادی کے متعلق وہ فرماتے تھے:-

> کانگریس میں ہمیشہ ایسی تجاویز آتی رہتی ہیں اور پاس ہوتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے مذہب اسلام کے تحفظ اور وقار کو ٹھیس نہ پہنچے۔ (پمفلٹ متحدہ قومیت اور اسلام ص۱۶)

یہی مؤقف ہندو لیڈروں کا بھی تھا۔ قرارداد پاکستان پاس ہونے کے بعد مسٹر گاندھی نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ

> اگر مذہب کو علیحدہ رہنے دیا جائے۔ یعنی ایک نجی کا معاملہ اور خدا اور بندے کے درمیان ایک ذاتی تعلق۔ تو پھر ہندوؤں اور مسلمانوں کے کئی ایک اہم مشترک عناصر نکل آئیں گے جو مجبور کریں گے کہ یہ دونوں ایک مشترکہ زندگی بسر کریں اور ان کی راہِ عمل بھی مشترک ہو۔ (ہندوستان ٹائمز، مورخہ ۹ جون ۱۹۴۰ء)

تقسیمِ ہند کے بعد بھی ہندوستان سے یہ آوازیں اٹھتی رہیں کہ اگر پاکستان اسلامی اسٹیٹ قائم کرنے کے خیال کو ترک کر دے تو

ان میں اور ہندوؤں میں خوشگوار تعلقات پیدا ہو سکتے ہیں۔ (مثلاً) قائدِ اعظمؒ کی وفات کے بعد ہندوستان ٹائمز نے اپنی ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں لکھا تھا:۔

> پاکستان، بالخصوص مشرقی بنگال کی اقلیتوں کو اتنا خوف و ہراس اور کسی چیز سے پیدا نہیں ہوا جتنا اس حقیقت سے کہ پاکستان کے راہ نماؤں نے متعدد بار اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی اصول و روایات کے مطابق ایک اسلامی مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں ...... اگر کشمیر کا مسئلہ پُر امن طریق سے طے ہو جائے اور پاکستان اسلامی اسٹیٹ کے خیال کو ترک کر دے اور اپنے سامنے ایک جمہوری ریاست کی تشکیل کا نصب العین رکھے تو اس سے پاکستان اور ہندوستان اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوشگوار تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا۔

اس سے ظاہر ہے کہ جس قسم کے اسلام کا تصور ہمارے علماء حضرات ہندوستان میں پیش کرتے تھے وہ تو ہندوؤں کے لئے قابلِ قبول تھا لیکن جس قسم کی اسلامی مملکت قائدِ اعظمؒ قائم کرنا چاہتے تھے، اس کے وہ مخالف تھے۔

بہرحال، پاکستان بن گیا اور علماء حضرات نے یہ مطالبہ پیش کر دیا کہ ملک میں تمام قوانین کتاب و سنت کے مطابق مرتب کئے جائیں۔ بنظر بظاہر یہ مطالبہ نہایت معقول اور اس مقصد کے عین مطابق تھا جس کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ لیکن اس سلسلہ میں ملک میں کوئی پیش رفت نہ ہوئی جس سے لامحالہ یہ تاثر پیدا ہوتا گیا کہ حکومت چاہتی نہیں کہ یہاں اسلامی قوانین نافذ ہوں۔ اس تاثر یا غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے، صدر ایوب (مرحوم) نے اپنے ایک بیان میں کہا:۔

> اپوزیشن کے راہ نماؤں کی طرف سے جو اعتراضات موجودہ حکومت پر کئے جا رہے ہیں ان میں ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ملک میں اسلامی قوانین نافذ نہیں کئے جاتے۔ یہ ایک جذباتی، پیچیدہ اور نازک مسئلہ ہے۔ اگر اسلام میں مختلف فرقے موجود نہ ہوتے جس طرح خدا اور رسولؐ کی منشاء تھی، تو یہ معاملہ آسان ہو جاتا۔ میں نے علماء سے ہمیشہ کہا ہے کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے اسلامی قانون تیار کریں اور اس کی منظوری وکلاء اور جج صاحبان سے حاصل کریں کہ یہ لوگ قانون کے ماہر تسلیم کئے جاتے ہیں .... اسے اسمبلیوں میں پیش کر کے ان کی منظوری بھی حاصل کر لیں۔ اگر میں صدر رہا تو آنکھیں بند کر کے اس قانون پر دستخط کر دوں گا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ملک میں اسلامی قانون رائج ہو۔ میرے لئے خوشی کی اور کوئی بات نہیں (نوائے وقت ۱۴/۲/۶۸)
>
> اس کے جواب میں مودودی (مرحوم) نے کہا کہ یہ شخص بدنیت ہے اور علماء کے اختلاف کو خواہ مخواہ سپر بنا رہا ہے۔ (نوائے وقت ۲۰/۲/۶۹)

وقت گذرتا گیا اور اسلامی قوانین نے نہ بننا تھا، نہ وہ بنے۔ اس سے ملک میں عجیب و غریب قسم کے خیالات ابھرنے لگے۔ کوئی اس کی وجہ کچھ بتاتا تھا کوئی کچھ۔ اس ناقابلِ فہم حالت پر بیس سال کا عرصہ گذر گیا جس کے بعد بالآخر

ان حضرات کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ

قرآن و سنت کی رو سے پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں کیا جا سکتا جسے یہاں کے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ (بیان مورخہ ۲۳ اگست ۱۹۵۱ء سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم))

اس کا حل یہ تجویز کیا گیا کہ پرسنل لاز تو ہر فرقہ کے اپنے اپنے ہوں اور پبلک لاز کے لئے فقہ حنفی کے قوانین نافذ کر دیئے جائیں۔ اس سے وہ صورتِ حال پیدا ہوئی جس کا ذکر فاروقی صاحب نے اپنے انٹرویو میں کیا ہے یعنی اس سے ایک تو فرقہ وارانہ اختلافات ابھر آئے اور دوسرے ان فقہی قوانین کے نفاذ کی تجویز کی گئی جو (فاروقی صاحب کے الفاظ میں) پہلی یا دوسری صدی ہجری کے زمانہ کے فقہاء کے مرتب کردہ تھے اور جو اس قابل ہی نہیں تھے کہ ہمارے زمانے کی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ ما اس وقت تک جو دو چار قوانین نافذ ہوئے ہیں وہ ناممکن العمل ثابت ہو رہے ہیں۔ اس سے لوگ اس نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں کہ نماز روزے کی حد تک تو ٹھیک ہے لیکن زندگی کے عملی معاملات کا حل اب اسلام پیش نہیں کر سکتا۔ یہ مقصد سیکولر نظام ہی سے پورا ہو سکتا ہے۔ یہ اسلام کا بعینہٖ وہی تصور ہے جسے ہمارے علماء تحریک پاکستان کے دوران ہندوستان میں پیش کرتے تھے اور جسے رائج کرنے کے لئے وہ پاکستان میں آئے تھے۔ اس سے واضح ہے کہ اہلِ پاکستان اس مقام پر از خود نہیں پہنچے۔ وہ بڑے زوروں سے دھکیل کر یہاں پہنچائے گئے ہیں۔ طلوعِ اسلام برابر پکارتا رہا کہ اگر یہاں علماء کرام کے پیش کردہ اسلام کو فروغ حاصل ہو گیا اور یہی مملکت کی قانون سازی کا معیار قرار پایا تو یہاں کا تعلیم یافتہ طبقہ اسلام کی طرف سے یکسر برگشتہ ہو جائے گا اور اس خیال میں پختہ کہ اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے جو کسی زمانے میں تو اچھے نتائج پیدا کر سکتا تھا لیکن اب بالکل بیکار ہو چکا ہے۔ اور عوام ہر اس نظام کو قبول کر لیں گے جس میں انہیں نماز، روزہ اور نکاح و طلاق کی (ان کے "اسلامی" تصور کے مطابق) آزادی حاصل ہو ـــــ یہ نظام خواہ بھارت کا مغربی جمہوریت پر مبنی نظام ہو خواہ کمیونزم کا نظام۔ چنانچہ اس طرح ہندو لیڈروں اور ہمارے علماء نے اپنا وہ مقصد حاصل کر لیا ہے جس کے حصول میں انہیں تحریک پاکستان کے دوران ناکامی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس طرح اپنی شکست کا بدلہ لے لیا۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے یہ صرف طلوعِ اسلام تھا جس نے ان کی اس اسکیم کی، تحریک پاکستان کے دوران بھی مخالفت کی تھی اور تشکیلِ پاکستان کے بعد بھی وہ اپنی اس آواز کو برابر بلند کرتا رہا۔ ان کے نزدیک اس کا توڑ یہ تھا کہ طلوعِ اسلام کو اس قدر نکو بنا دیا جائے کہ نہ صرف یہ کہ کوئی اس کی آواز کو سننے کے لئے آمادہ نہ ہو بلکہ اس کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرنے لگ جائے۔ وہ اپنی اس اسکیم میں بھی بڑے کامیاب رہے۔ اگر وہ اس کے راستے میں حائل نہ ہوتے اور طلوعِ اسلام کی طرف سے پیش کردہ اسلامی تصور عام ہو جاتا تو یہ مملکت کبھی کی اسلامی بن چکی ہوتی۔ اس کے بعد نہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کو یہ کہنے کی ضرورت ہوتی کہ اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے۔ اور نہ ہی عوام کو (فاروقی صاحب کے الفاظ میں) سر اٹھا اٹھا کر کسی تیسرے راستے کی طرف تکنے کی حاجت۔ بہر حال خواص ہوں یا عوام انہیں اب اس مقام سے ہٹا کر جہاں پر لا کر کھڑا کر دیا گیا ہے حقیقی اسلام کی راہ پر لانے کے لئے بڑے جرأت مندانہ اقدامات کی ضرورت ہے۔ اس کے سوا کمیونزم (یا سیکولرازم) کے خطرہ سے محفوظ رہنے کی کوئی صورت نہیں۔

ہم اپنی ان تصریحات کو محترم فاروقی صاحب کے شکریہ پر ختم کرتے ہیں جنہوں نے نہایت بروقت اس آواز کو بلند اور ملک کو اس خطرہ سے متنبہ کیا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

کمیونسٹوں کو قائدِ اعظمؒ کی وارننگ

قائدِ اعظمؒ نے، آل انڈیا مسلم لیگ کے کراچی کے اجلاس منعقدہ ۲۴ دسمبر ۱۹۴۳ء میں اپنے خطاب کے دوران فرمایا:۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ (کانگریس کے علاوہ) ایک اور، سب سے زیادہ چالاک، جماعت جو ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کر رہی ہے، کمیونسٹ ہیں۔ انہوں نے بہت سے جھنڈے اٹھا رکھے ہیں ـــــ اور میرا خیال ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جھنڈوں کی تعداد کی کثرت میں عافیت ہے۔ (قہقہہ) ان کے ہاں سرخ جھنڈا ہے ـــ روسی جھنڈا ہے ـــ بالشویکی جھنڈا ہے ـــ کانگریس کا جھنڈا ہے۔ اور اب وہ (خیر سے) ہمارا جھنڈا بھی ساتھ رکھ رہے ہیں (قہقہہ) جب کوئی شخص بہت سے جھنڈے اٹھائے ہو، تو میں اس کی طرف سے بدگمان ہو جاتا ہوں۔ (تقاریرِ جناحؒ ۔ جلد دوم ۔ صـ۴۲)

انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی یونین سے ۹ مارچ ۱۹۴۴ء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

اب کچھ دنوں سے ایک پارٹی بہت متحرک ہو گئی ہے۔ وہ ہیں کمیونسٹ ـــ ان کا پراپیگنڈہ بڑا پر فریب ہے اور میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ ان کے جال میں نہ پھنس جانا۔ ان کا پراپیگنڈہ دامِ ہمرنگِ زمین ہے۔ ایک خطرناک پھندا ہے۔ وہ سوشلزم، کمیونزم، نیشنل سوشلزم وغیرہ کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ یاد رکھو! ہمارے ہاں ان "ازمز" یا اس قسم کی کسی اور ازم کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ (تقاریرِ جناحؒ ۔ جلد دوم ۔ صـ۷۳)

پھر انہوں نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کانفرنس منعقدہ ۱۹ مارچ ۱۹۴۴ء کے آخری اجلاس میں فرمایا:۔

یہ کمیونسٹ سمجھتے ہیں کہ ہم بے وقوف ہیں۔ ان کے اس قسم کے مغالطہ میں رہنے کے لئے کچھ وجہ جواز ضرور ہے لیکن (یہ قصۂ ماضی ہے) گذشتہ پانچ دس سال میں مسلمانوں میں ایسی تبدیلی آچکی ہے کہ کمیونسٹ انہیں بیوقوف بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ اس لئے میں انہیں متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ہم سے دستبردار ہو جائیں۔ اگر انہوں نے پھر سے وہی کھیل کھیلنا چاہا تو انہیں ایسا منہ توڑ جواب دیا جائے گا (جسے وہ یاد رکھیں گے)۔ ہم مسلم لیگ کے ہلال اور ستارہ کے پرچم کے سوا کوئی پرچم نہیں چاہتے۔ اسلام ہمارا رہنما بھی ہے اور مکمل ضابطۂ حیات بھی۔ ہم کوئی زرد یا سرخ جھنڈا نہیں چاہتے۔ ہم کوئی ازم بھی نہیں چاہتے۔ (بحوالہ، نوائے وقت، مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۷۶ء)

(٠)

مارکسزم کیا ہے؟

("دینِ حقّہ" کے مدِّمقابل "دینِ باطل")

عام طور پر لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں (اور انہیں اس غلط فہمی میں مبتلا رکھا جاتا ہے) کہ کمیونزم، ایک معاشی نظام ہے جو نظامِ سرمایہ داری کے خلاف ہے۔ ہم روزِ اوّل سے یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ کمیونزم محض ایک معاشی نظام نہیں۔ وہ ایک فلسفۂ حیات ہے۔ ایک نظریۂ زندگی ہے جس پر اس کے معاشی نظام کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ اور اس کا یہ فلسفۂ حیات، اسلام کے فلسفۂ حیات کے یکسر خلاف اور اس سے متضاد ہے۔ اس لئے نہ کمیونزم کے نظریۂ حیات کا قائل مسلمان ہو سکتا ہے اور نہ کوئی مسلمان اُس کا نظریۂ حیات کو تسلیم کر سکتا ہے۔ اس موضوع پر طلوعِ اسلام میں بے شمار مقالات اور خطابات شائع کئے گئے۔ ہزارہا کی تعداد میں پمفلٹ تقسیم کئے گئے۔ پرویز صاحب کی جامع تصنیف، نظامِ ربوبیت میں ان نظریات کی وضاحت بھی کی گئی اور اس کے بالمقابل، اسلام کا نظریۂ حیات اور معاشی نظام بھی پیش کیا گیا۔ للّٰہ الحمد کہ طلوعِ اسلام کی ان کوششوں کو، کمیونزم کے باطل نظریات کی روک تھام میں خاصی کامیابی ہوئی۔ یہ کامیابی اور بھی نمایاں ہو جاتی اگر سرمایہ داری کی مؤید طاقتیں، مذہب کی آڑ میں، طلوعِ اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ نہ کرتیں۔ کچھ عرصہ سے یہ شورش کچھ دب سی گئی تھی، لیکن اس کے حالیہ اقدامات نے فضا میں جو ارتعاش پیدا کیا تو ان دبی ہوئی چنگاریوں نے پھر سے ابھرنا شروع کر دیا۔ اس سے ہمیں اس قسم کے تقاضے موصول ہو رہے ہیں کہ کمیونزم کے نظریات کے متعلق طلوعِ اسلام میں وضاحت کی جائے۔ ان تقاضوں کے پیشِ نظر ذیل کی سطور میں ان نظریات کے متعلق مختصر سی وضاحت کی جاتی ہے۔ جو پرویز صاحب کے ایک خطاب سے ماخوذ ہیں جو سنہ ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا تھا۔ ہم قارئین کو مشورہ دیں گے کہ کمیونزم اور اس کے مقابلہ میں اسلام کو پوری وضاحت سے سمجھنے کے لئے "نظامِ ربوبیت" کا مطالعہ بڑا مفید رہے گا۔ بالخصوص ملک کے موجودہ حالات میں۔ یاد رکھیئے۔ طبیعی (PHYSICAL) طاقت کا مقابلہ تو طاقت سے ہو سکتا ہے، لیکن نظریات کا مقابلہ، نظریات ہی کر سکتے ہیں۔ اس لئے بحالاتِ موجودہ، کمیونزم اور اسلام کے نظریاتِ حیات کا سمجھنا ازبس ضروری ہے۔

(٥)

مارکسزم کا بانی کارل مارکس تصوّر کیا جاتا ہے۔ یہ یہودی النسل تھا اور جرمنی کا رہنے والا۔ یہ ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوا؛ اور اپنے انقلابی خیالات کی وجہ سے، مختلف ممالک۔ جرمنی، بلجیم، فرانس، انگلینڈ میں جلا وطن ہوتا رہا، اور بالآخر ۱۸۸۳ء میں، لندن میں وفات پاگیا۔ لیکن مارکسزم، اکیلے مارکس کا کارنامہ نہیں۔ اس میں، اس کا زندگی بھر کا رفیق، فریڈرک اینگلز بھی برابر کا شریک ہے۔ منشور اشتراکیت جو ان کی تحریک کا عروۃ الوثقیٰ ہے، ۱۹۴۸ء میں، ان دونوں کی طرف سے مشترکہ طور پر شائع ہوا۔ مارکس کی معرکہ آرا تصنیف، کیپٹل کے نام سے موسوم ہے۔ مارکس کی زندگی میں اس کی صرف پہلی جلد شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس کی دو جلدیں اینگلز نے شائع کیں اور یہ حقیقت ہے کہ وہ مارکس اور اینگلز دونوں کی مشترکہ تصنیف ہے۔ وہ اس کی چوتھی جلد کی تکمیل نہ کر پایا تھا کہ ۱۸۹۵ء میں اس کا بھی انتقال ہوگیا۔ جہاں تک فلسفہ اجدلیت (DIALECTIC MATERIALISM) کا تعلق ہے، اس کا بنیادی سرچشمہ مارکس کے استاد، ہیگل کی فکر ہے، اگرچہ مارکس نے اس میں جو تبدیلی کی اس سے وہ ایک الگ جداگانہ فلسفہ بن کر رہ گیا۔ جہاں تک، مارکس اور اینگلز کی مذہب کے خلاف بغاوت کا تعلق ہے، اس میں وہ ایک اور شخص کی فکر سے متاثر ہیں جس کا نام لڈوگ فیور باخ (LUDWIG FEURER BACH) ہے۔ (اگرچہ مارکس، اپنے معاشی نظام کے سلسلہ میں اس کی مخالفت کرتا تھا) یہ عیسائیت کا شدید ترین دشمن تھا اور دہریت کا متشدد مبلغ۔ روس کے انقلابی لیڈر، (V. I. LENIN) نے ان تمام انقلابیوں کے افکار و کردار کو مربوط شکل میں پیش، اور سوشلزم کو عملاً رائج کیا۔ اس کی تالیف ...... (MARX-ENGELS MARXISM) اس موضوع پر ایک مستند صحیفہ ہے اور اس کا ۱۹۴۷ء کا ایڈیشن، جو ماسکو سے شائع ہوا تھا، ہمارے پیشِ نظر ہے۔ اس تمہیدی تعارف کے بعد ہم مارکسزم کے فلسفہ یا نظریہ کی طرف آتے ہیں۔

انسانی زندگی کا سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ خود انسان ہے، یعنی یہ کہ انسانی زندگی بھی، دیگر حیوانات کی طرح، محض طبیعی زندگی ہے، یا اس سے ماوراء کچھ اور بھی ہے۔ اگر اس کی زندگی محض طبیعی زندگی ہے جس میں مقصدِ حیات اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا کہ کھایا پیا، افزائشِ نسل کی اور مر گئے، تو پھر اس کے لئے مابعد الطبیعیاتی مسائل —— خدا، وحی، رسالت، مستقل اقدار، آخرت وغیرہ کچھ معنی نہیں رکھتے۔ کوئی حیوان ایسا نہیں جس کے ذہن میں یہ سوالات اُبھرتے ہوں، یا اس کا اس کی زندگی سے کچھ بھی واسطہ ہو۔ حیوانات کے سامنے ایک ہی مسئلہ ہوتا ہے، یعنی بقائے حیات (زندہ رہنے) کے لئے، کھانے پینے کا مسئلہ۔ اسے انسانوں کی زبان میں "روٹی کا مسئلہ" کہتے ہیں۔ اگر کسی جانور کا پیٹ بھر جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہے تو وہ آرام سے سو جاتا ہے کیونکہ اس کے بعد اس کے سامنے کوئی اور سوال ہوتا ہی نہیں۔ اس تصورِ حیات کی رو سے، انسان کے سامنے بھی مسئلہ صرف ایک ہی رہ جاتا ہے۔ یعنی روٹی کا مسئلہ۔ اگر یہ حل ہو جائے تو پھر زندگی کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ مارکسزم کی رو سے، انسانی زندگی کا تصوّر کیا ہے۔ اس سوال کا جواب، کہ

انسانی زندگی کیا ہے، فیورباخ نے پانچ لفظوں میں اس جامعیت سے دیا ہے کہ ان کی روشنی میں مارکسزم کا سارا فلسفہ بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے۔ وہ اپنی بنیادی تصنیف (ESSENCE OF CHRISTIANITY) میں کہتا ہے کہ

(MAN IS WHAT HE EATS.)

انسان عبارت ہے اس سے جو کچھ وہ کھاتا ہے۔

یعنی اس کی زندگی، دیگر حیوانات کی طرح، طبیعی زندگی ہے۔ اور بس۔ اور مسئلہ اس کے سامنے صرف روٹی کا ہے۔ مارکسزم کی ساری عمارت اسی بنیاد پر استوار ہوتی ہے۔

حیوان، صاحبِ اختیار نہیں ہوتا۔ مجبور ہوتا ہے۔ جب انسانی زندگی کو حیوانی زندگی تصوّر کر لیا گیا تو اگلا سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا یہ بھی دیگر حیوانات کی طرح مجبور ہے یا اسے کچھ اختیار بھی حاصل ہے۔ یاد رہے کہ انسان کو اس کے اعمال و کردار کا ذمہ دار اسی صورت میں ٹھیرایا جا سکتا ہے جب اسے صاحبِ اختیار تسلیم کیا جائے۔ اس باب میں مارکس لکھتا ہے کہ

> انسان اپنی تاریخ آپ مرتب کرتے ہیں، لیکن ایسا کچھ وہ ان حالات کے تابع نہیں کرتے جنہیں انہوں نے برضائے خویش، خود منتخب کیا ہو۔ اس کے برعکس، وہ ان شرائط و کوائف کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں جو انہیں خارج سے ملتی ہیں اور پہلے سے طے شدہ (DETERMINED) ہوتی ہیں۔ (THE EIGHTEENTH BRUMAIRE)

مارکس انسان کی انفرادیت کا قائل نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ "انسانی ذات کوئی ایسی شے نہیں جو ہر فرد میں الگ الگ موجود ہو۔ یہ صرف معاشرتی روابط کے مجموعی اثر کا نام ہے"۔

(SIXTH THESIS AGAINST FEURER BACH) وہ اپنی تصنیف، کے پہلے انگلش ایڈیشن کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔

> اگر میں کہیں افراد کا ذکر کرتا ہوں تو صرف ان معنوں میں کہ وہ معاشی اصناف کے مجسمے ہوتے ہیں اور خاص طبقاتی مفاد اور روابط کے ترجمان۔ جب میرے نزدیک، صحیح طریق فطرت، معاشرہ کے اقتصادی ڈھانچے کا نشوونما ہے، تو میں وہ آخری شخص ہوں گا جو افراد کو ان حالات کا ذمہ دار قرار دے جن کے پیدا کردہ وہ (افراد) خود ہیں۔ (یعنی افراد، حالات کے پیدا کردہ ہوتے ہیں۔ حالات، افراد کے پیدا کردہ نہیں ہوتے)۔

یہ ہے مارکسزم کی رو سے کائنات میں انسان کی پوزیشن۔ یعنی

۱۔ اس کی زندگی، حیوانات کی طرح، محض طبیعی زندگی ہے جس کا خاتمہ موت کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اور

۲۔ یہ حیوانات ہی کی طرح، مجبور محض ہوتا ہے اسے انتخاب اور ارادہ کی صلاحیت نصیب ہی نہیں ہوتی۔ جن مادی حالات میں یہ آنکھ کھولتا ہے، ان کے مطابق بننے اور کام کرنے کے لئے یہ مجبور ہوتا ہے۔ اس کی ساری تاریخ، اس کے اس جبر کی داستان ہے۔

مارکسزم میں تاریخ (ہسٹری) کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس لئے کہ وہ اپنے دعاوی اور نظریات کی صداقت کی شہادت (بزعمِ خویش) تاریخ سے پیش کرتے ہیں۔ لیکن مارکس کو تاریخ انسانیت میں کیا دکھائی دیتا ہے اس کا اندازہ اس ایک فقرہ سے لگایئے جو منشورِ اشتراکیت (کمیونسٹ مینی فسٹو) میں ان الفاظ میں ہمارے سامنے آتا ہے کہ

کاروانِ انسانیت کی تاریخ طبقاتی جنگ کے سوا کچھ نہیں۔

اینگلز اس میں صرف اتنا اضافہ کرتا ہے کہ انسان کے ابتدائی دور کے بعد، جب وہ ہنوز اپنے عہدِ طفولیت میں تھا، اس کی ساری تاریخ طبقاتی نزاع کی داستان ہے۔ طبقاتی جنگ سے مارکس اور اینگلز کی مراد ہے۔" لٹنے والوں اور لوٹنے والوں کی نزاع۔ حاکموں اور محکوموں کی جنگ" (منشورِ اشتراکیت) اسے تاریخ کی مادی تعبیر کہا جاتا ہے۔ اینگلز اس باب میں لکھتا ہے کہ

تاریخ کی مادی تعبیر کی رو سے، تاریخ میں آخری اور فیصلہ کن عنصر یا عامل یہ حقیقت ہوتی ہے کہ اس دور میں پیداوار کا کیا انداز تھا .... یہ ٹھیک ہے کہ ہم اپنی تاریخ آپ متشکل کرتے ہیں، لیکن ایسا کچھ متعین شرائط اور پہلے سے طے شدہ حالات کے تابع کیا جاتا ہے۔ ان میں سب سے، آخری اور فیصلہ کن عناصر وہ ہوتے ہیں جن کا تعلق معاشیات سے ہوتا ہے۔

(MARX - ENGELS CORRESPONDENCE)

اپنے اس نظریہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے، اینگلز لکھتا ہے:

تاریخ کے مادی تصور کی ابتدا اس اصول سے ہوتی ہے کہ ہر معاشرتی نظام کی بنیاد، پیداوار اور پیداشدہ اشیاء کا تبادلہ ہوتی ہے۔ تاریخ میں جو معاشرہ بھی ہمارے سامنے آتا ہے، پیداوار کی تقسیم، اور اس کے ساتھ معاشرہ کی طبقاتی تفریق کا مدار اس امر پر ہوتا ہے کہ اس معاشرہ نے کیا پیدا کیا اور اسے کس طرح تقسیم کیا۔ اور پیدا کردہ اشیاء کا تبادلہ کس طریق سے کیا۔ اس تصور کی رو سے، تمام معاشرتی تبدیلیوں اور سیاسی انقلابات کی علتِ العلل (آخری سبب) انسانوں کے قلوب کے اندر، یا ابدی صداقت اور عدل کے متعلق ان کی بڑھتی ہوئی بصیرت میں تلاش نہیں کرنا چاہیئے۔ اسے تلاش کرنا چاہیئے اِس امر میں کہ اس معاشرہ میں طریقِ پیداوار اور تبادلۂ اشیاء کا اصول کیا تھا۔ بالفاظِ دیگر، ان انقلابات کی بنیاد کو، فلسفۂ حیات میں نہیں، بلکہ اس دور کی اقتصادیات میں تلاش کرنا چاہیئے۔

(ANTI - DUHRING)

مارکس کے حسبِ ذیل الفاظ اس کی مزید تشریح کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ

مادی زندگی میں طریقِ پیداوار، درحقیقت اس معاشرہ کے عام کیریکٹر، اور سیاسی اور روحانی نہج زندگی کو متعین کرتا ہے۔ یہ انسانی شعور نہیں جو ان کی ہستی کو متعین کرتا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ان کی معاشرتی زندگی ان کے شعور کو متعین کرتی ہے۔

(A CONTRIBUTION OF POLITICAL ECONOMY.)

آپ نے دیکھ لیا کہ مارکسزم کی رُو سے، تاریخ کی مادی تعبیر سے کیا مراد ہے؟ ان کے نزدیک انسان کی ساری تاریخ، افراد اور قوم کے ہر فیصلہ اور عمل کا جذبۂ محرکہ، طبقات کا باہمی تنازع، کسی معاشرہ کا تمدن، نہج زندگی، اسلوبِ حیات، سب "روٹی کے مسئلہ" کے تابع ہوتے ہیں۔ جس قسم کا طریقہ، پیداوار اور اصولِ تقسیم وتبادلۂ اشیاء، اسی قسم کے انسان، اسی قسم کا معاشرہ، اسی قسم کے ان کے تصورات، اسی قسم کا ان کا شعور۔ "روٹی کے مسئلہ" سے بلند تو ایک طرف، اس سے الگ اور مختلف، یا اس کے سوا، نہ انسانی فیصلوں کا کوئی جذبۂ محرکہ ہوتا ہے نہ مختلف گروہوں میں باہمی کشمکش کی کوئی علت۔ انسانی زندگی کی ساری کارفرمائیاں۔ اس کی جملہ تگ وتاز۔ اس کی تمام سعی وکاوش۔ اس کی جدوجہد، اس کا تمدن، ثقافت، تہذیب علمی کاوشیں فکری کاہشیں فنونِ لطیفہ اور ان کی ندرت کاریاں، اس کے جذباتِ لطیفہ اور ان کی جگر سوزیاں اس کے احساسات اور ان کی حرارت سامانیاں۔ اس کی عشق ومحبت کی داستانیں۔ بلند مقاصد کی خاطر اس کی بے لوث قربانیاں، مطلق اقدار کے تحفظ کے لئے اس کی جانفروشیاں، غرضیکہ زندگی اور اس کی ساری رعنائیاں اور زیبائیاں، اس کی رفعت اور بلندیاں، یہ سب اس سوال کی پیداوار ہیں کہ گیہوں کیسے بویا جاتا ہے، اور راشن ڈیپو میں آٹے کی تقسیم کس طریق سے ہوتی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب مسئلہ سارا گیہوں اور آٹے کا ہے تو پھر انسانی زندگی کے لئے کسی ضابطۂ اخلاق اقدار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لینن نے، سنہ ۱۹۲۰ء میں، یونائیٹڈ کمیونسٹ لیگ کی تیسری کانگریس میں، نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:-

> ہم ان تمام ضوابطِ اخلاق کو مسترد کرتے ہیں جو کسی مافوق البشر سرچشمہ یا غیر طبقاتی تصوّر کے پیدا کردہ ہوں۔ ہم اعلانیہ کہتے ہیں کہ اخلاقیات کا اس قسم کا تصوّر فریب ہے، دھوکا ہے، یہ تصوّر، زمینداروں اور سرمایہ داروں کے مفاد کے تحفّظ کی خاطر، محنت کشوں اور کاشتکاروں کے دلوں کو تاریکی اور دھند میں رکھنے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا ضابطۂ اخلاق، محنت کشوں کی طبقاتی جنگ کے مفاد کے تابع ہے۔ یہی ہمارے ضابطۂ اخلاق کا سرچشمہ ہے۔ سرمایہ داروں کا دعویٰ ہے کہ ان کا ضابطۂ اخلاق احکامِ خداوندی پر مبنی ہے۔ (ہم اس تصوّر کو ٹھکراتے ہیں)۔ ہم خدا وغیرہ کچھ نہیں جانتے۔ ہم اسے مانتے ہی نہیں۔ اخلاق، انسانی معاشرہ ہی کا نام ہے۔ اس سے ماوراء جو کچھ ہے، فریب ہے۔ ہم کسی ابدی صداقت کے قائل نہیں۔ اس قسم کے اخلاق کے متعلق جس قدر افسانے وضع کئے گئے ہیں، ہم ان سب کا پردہ چاک کرکے رکھ دیں گے۔
>
> (MARX-ENGELS MARXISM - PP 461-465.)

مارکس، کیپٹل (جلد اوّل) میں لکھتا ہے کہ

> اخلاقیات، مذہب، مابعد الطبیعیات، اور اسی قسم کے دیگر نظریات کا آزادانہ وجود کوئی نہیں۔ ان کی کوئی تاریخ نہیں۔ ان کی کوئی نشوونما ارتقاء نہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ انسان،

اپنی مادی پیداوار اور مادی روابط کی نشوونما کے ساتھ ساتھ اپنے خیالات، اور ان خیالات سے پیدا شدہ تصورات کو بدلتا رہتا ہے۔ (انہی کا نام اس کے عقائد یا اخلاقیات و اقدار ہیں)

اینگلز کے الفاظ ہیں:-

(ہمارے فلسفہ جدلیت کی رو سے) دنیا میں کوئی شے حرف آخر، مطلق، یا مقدس نہیں۔ کائنات کی ہر شے (انسانی فکر سمیت) تغیر پذیر ہے اور پیچھے سے آتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ (لینن۔ صفحہ ۲۳)

یہ ہے مارکسزم کے نزدیک، اقدار و اخلاقیات کی حیثیت، اس کی رو سے، دنیا میں کوئی قدر (VALUE) مستقل نہیں۔ کوئی ضابطہ اخلاق غیر متغیر نہیں۔ یہ سب تصورات، ذہنِ انسانی کے پیدا کردہ ہیں۔ اُس ذہنِ انسانی کے جو خود اپنے احوال اور معاشی طرق و مناہج کے تابع ہوتا ہے۔ ضابطہ اخلاق ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ جو کچھ اپنی پارٹی کے مفاد میں ہو وہ جائز، جو اس کے مفاد کے خلاف جائے وہ ناجائز۔ اس مقصد (یعنی پارٹی کے مفاد) کے لئے کذب و افترا اور فریب و دجل، ہر حربے سے بلا تامل کام لیا جا سکتا ہے۔

(GOLLANCZ) نے اپنی کتاب (OUR THREATENED VALUES) میں تو یہاں تک بھی لکھا ہے کہ جب مشہور اشتراکی راہ نما (DR. G. LUCKNZ) سے پوچھا گیا کہ کیا اشتراکی لیڈروں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی جماعت کے افراد سے بھی کذب اور فریب دہی سے کام لیں، تو اس کے جواب میں اس نے کہا کہ

اشتراکی اخلاق کی رو سے یہ فریضہ سب سے اہم ہے کہ اسے تسلیم کیا جائے کہ عند الضرورت بد دیانتی اور بے ایمانی سے کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ سب سے بڑی قربانی ہے جس کا ہم سے انقلاب نے مطالبہ کیا تھا۔

ہم نے دیکھا ہے کہ لینن نے کہا تھا کہ ہم ہر ایسے ضابطہ اخلاق کو مسترد کرتے ہیں جس کا سرچشمہ انسانی ذہن سے ماورا ہو۔ ہم خدا کی ہستی کا انکار کرتے ہیں اور اس کے احکام کے تصور تک کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہاں سے مذہب کے متعلق مارکسزم کا نظریہ واضح ہو جاتا ہے۔ مارکس کا یہ فقرہ تو اب زبان زد خلائق ہو چکا ہے کہ

(RELIGION IS THE OPIUM OF THE PEOPLE
LENIN – P. 240)

مذہب ——— عوام کے لئے افیون ہے۔

لینن اس باب میں پکار کر کہتا ہے کہ

مذہب کو تباہ کرنا اور دہریت (ATHEISM) کو فروغ دینا ہمارا مقصد اوّلین ہے۔ (لینن۔ صفحہ ۲۴۳)

وہ ذرا آگے جا کر لکھتا ہے :-

ایک مارکسسٹ کے لیئے مادہ پرست ہونا ضروری ہے - یعنی مذہب کا دشمن - لیکن اسے جدلی مادیت پرست ہونا چاہیئے - اس سے مراد یہ ہے کہ اسے مذہب کی مخالفت محض نظری اور تجریدی (ABSTRACT) طریق سے نہیں کرنی چاہیئے - اسے عوامی جدوجہد کے ذریعے مذہب کی مخالفت کرنی چاہیئے -

(لینن - صفحہ ۲۴۵)

اس پر اضافہ کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ "جو لوگ مارکسزم کے حامی ہونے کے ساتھ ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مذہب انسان کا پرائیویٹ معاملہ ہے، اس لئے مارکسزم کو کسی کے ذاتی عقیدہ سے سروکار نہیں ہونا چاہیئے - وہ موقعہ پرست ہیں - مارکسزم اور مذہب پر عقیدہ، دونوں اکھٹے نہیں رہ سکتے - مارکسزم میں، مذہب کسی کا پرائیویٹ عقیدہ نہیں رہ سکتا - مارکسسٹ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مذہب کو تیاگ کر دہریت کو عملاً اختیار کرے" (صفحہ ۲۴۶)

اینگلز واضح تر الفاظ میں کہتا ہے کہ

مذہب (کوئی خاص مذہب نہیں، بلکہ خود نفس مذہب) اس کے سوا کچھ نہیں کہ جو خارجی قوتیں انسان کی روزمرہ کی زندگی کو کنٹرول کرتی ہیں، ان کا عکس انسانی ذہن پر منعکس ہو جاتا ہے - (انہیں وہ خدا سمجھ لیتا ہے) -

(ANTI - DUHRING)

فیورباخ لکھتا ہے کہ

فطرت اور انسان کے سوا کائنات میں کسی شئے کا وجود نہیں - وہ بلند و بالا ہستیاں جن کا وجود مذہبی افسانہ گروں نے تراش کر رکھا، وہ خود ہماری اپنی ہی ذات کے طلسمی عکس ہیں -

(ESSENCE OF CHRISTIANITY)

اور آخر میں ہم، مارکس کے ان الفاظ کو پیش کرتے ہیں جن کے بعد اس باب میں کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں رہتی - وہ اپنی کتاب (CRITIQUE OF THE PHILOSOPHY OF LAW OF HEGEL) میں لکھتا ہے :-

مذہب انسان کی پیداوار ہے - انسان مذہب کی پیداوار نہیں - مذہب سے وہی انسان وابستہ رہ سکتا ہے جو یا تو ابھی تک اپنے مقام انسانیت سے بے خبر ہو یا جس نے اس مقام کو پا کر اسے پھر سے کھو دیا ہو - مذہب مظلوموں کی سسکیاں، ایک پتھر کی دنیا کا قلب اور ان حالات کی روح ہے جو خود روح سے محروم ہیں - مذہب کی فنا میں حقیقی انسانی مسرت کا راز پنہاں ہے - اخلاقیات، مذہب، مابعد الطبیعیات اور دیگر تمام تصورات، حقیقی آزادی کے دشمن ہیں - ان کی کوئی تاریخ نہیں - تاریخ صرف مادی انسان کی ہے -

———— (۱) ————

یہ انقلاب رونما کس طرح سے ہوتا ہے، اس کے متعلق لینن لکھتا ہے - " سرمایہ داری نظام حکومت کی جگہ

اشتراکی حکومت کا برسرِ اقتدار آجانا، تشدد آمیز انقلاب کے بغیر ناممکن ہے۔"

(STATE AND REVOLUTION)

لینن، اسی کتاب میں، اینگلز کے ایک مقالہ کا اقتباس دیتے ہوئے لکھتا ہے:۔

انقلاب ایک ایسا عمل ہے جس کی رُو سے آبادی کا ایک حصہ دوسرے حصہ پر اپنا اختیار و تسلّط قوت و استبداد، توپ شمشیر، گولیوں کی بوچھاڑ اور آتشیں گولوں کے دھماکے سے زبردستی کرتا ہے۔

مارکس نے کہا تھا کہ سوشلزم کا نظامِ حکومت، ڈکٹیٹرشپ ہوگا۔ اس کے متعلق سٹالن نے اپنی کتاب (LENIN) میں لکھا تھا:۔

ڈکٹیٹر ایسی مختارِ عام ہستی کا نام ہے جس کا وجود یکسر قوت پر مبنی ہو۔ ایسی مطلق العنان ہستی جو کسی قانون اور کسی ضابطہ کی پابند نہ ہو۔ آئینی نظامِ حکومت کے علمبردار سن لیں اور اچھی طرح سن لیں، کہ ڈکٹیٹرشپ کے معنی ہیں قوت۔ غیر محدود اور قاہرہ قوت جو جبرو اکراہ پر مبنی ہو اور جسے آئین و دستور اور قانون و شریعت سے کچھ سروکار نہ ہو۔

انقلاب روس ۱۹۱۷ء میں برپا ہوا تھا۔ اور لینن نے ۱۹۲۰ء میں کہا تھا:۔

اس حقیقت کو اب ہر ایک نے محسوس کر لیا ہوگا کہ بالشویک، اڑھائی سال تو ایک طرف، اڑھائی ماہ تک بھی برسرِ اقتدار نہیں رہ سکتے تھے، جب تک ہماری پارٹی میں، متشدد، اور صحیح معنوں میں فولادی ڈسپلن قائم نہ رکھا جاتا۔ (لینن۔ صفحہ)

—— (٠) ——

یہ ہے مختصر الفاظ میں، کمیونزم کا فلسفۂ حیات اور اس کا نظامِ حکومت۔ اس کے مقابلہ میں، اسلام کا فلسفۂ زندگی، نظامِ حکومت اور معاشی نظام کیا ہے، اس کی تفصیل آپ کو "نظامِ ربوبیت" میں ملے گی۔

قرآنی فیصلے (جلد چہارم) کتاب قرآنی فیصلے کی اس وقت تک تین جلدیں شائع ہوئی تھیں۔ پہلی جلد کچھ عرصہ سے ختم ہو گئی تھی۔ اب بحمدہٖ تعالیٰ وہ بھی دوبارہ چھپ گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ پہلی دفعہ چوتھی جلد بھی جس میں بڑے اہم موضوعات آ گئے ہیں۔ چونکہ اس کی ضخامت بھی بڑھ گئی ہے اس لئے اس کی قیمت فی جلد -/۱۵ روپے ہے۔ پورے سیٹ (چاروں جلدوں) کی قیمت -/۴۵ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

طاہرہ کے نام خطوط اس نہایت اہم کتاب کا سابقہ ایڈیشن کچھ مدت ہوئی ختم ہو گیا تھا۔ اب اس کا نیا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔ قیمت -/۱۰ روپے فی جلد

ملنے کا پتہ:۔

(۱) ادارۂ طلوعِ اسلام ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور۔ (۲) مکتبۂ دین و دانش چوک اردو بازار۔ لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بتقریب سعید عید میلاد النبیؐ

اسلامی نظام کس طرح قائم ہوگا؟

پرویز

عزیزانِ گرامی قدر! السلام علیکم

ہم اپنی اس خوش نصیبی پر جس قدر بھی نازاں ہوں کم ہے کہ ہمیں ایک بار پھر اس محفل جہات بخش میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ہے جس میں اس ذاتِ اقدس و اطہر کا تذکرۂ جمیلہ وجہ نشاطِ روح اور باعثِ نزہت خاطر ہوتا ہے جس کا ظہورِ قدسی عالمِ انسانیت کی معراجِ کبریٰ کا مظہر ہے۔ بعض حقیقت ناآشنا سطح بیں لوگ کہتے ہیں کہ رسول کی حیثیت (معاذاللہ) ایک ڈاکیہ کی سی ہوتی تھی جس کا فریضہ خدا کا پیغام دوسروں تک پہنچا دینا ہوتا تھا اور بس۔ یہ خیال بنیادی طور پر غلط ہے اور یہ عقیدہ باطل۔ رسول کا فریضہ صرف خدا کا پیغام دوسروں تک پہنچا نا نہیں ہوتا تھا۔ اس پیغام کے مطابق ایک معاشرہ، ایک نظام، ایک مملکت قائم کر کے دنیا کو محسوس طور پر دکھانا بھی ہوتا تھا کہ اس پیغام پر عمل کرنے سے اس قسم کا معاشرہ وجود میں آئے گا جس میں انسان اس دنیا میں بھی جنت کی سی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکے گا۔ ہم نے پاکستان کا خطۂ زمین اسی قسم کا نظام قائم کرنے کے لئے حاصل کیا تھا۔ لیکن ہماری بدنصیبی کی انتہا ہے کہ اس قسم کے نظام کا قیام تو ایک طرف، یہاں ابھی تک یہی طے نہیں پایا کہ وہ نظام ہوتا کیا ہے؟ اس کے لئے مجالس مذاکرات قائم ہوتی ہیں، سیمینار منعقد کرائے جاتے ہیں۔ دانشورانِ قوم، بالخصوص قانون دان حضرات میں بحث و مباحثہ ہوتا رہتا ہے۔ لیکن ان تمام کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا کہ:

ڈور کو سلجھا رہے ہیں اور سرا ملتا نہیں

ہماری اس سعی لاحاصل کو علامہ اقبالؒ نے اپنے مخصوص انداز میں یوں بیان کیا ہے کہ:

از روزگارِ خویش ندانم جز ایں قدر — خوابم ز یاد رفتہ و تعبیرم آرزوست (پیامِ مشرق)

اسلام کیا ہے؟

اسلامی نظام کے سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ ہم متعین طور پر سمجھیں کہ اسلام کیا ہے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آجائے تو اسلامی نظام، اسلامی مملکت، اسلامی قوانین، اسلامی شریعت، غرضیکہ اسلام کے متعلق سب کچھ بآسانی سمجھ میں آجائے گا۔ اسلام کے متعلق اگر ہم اپنی ذہنی اختراعات یا تقلیدی مباحث سے ہٹ کر براہِ راست اللہ تعالیٰ سے پوچھیں تو اس باب میں نہ کوئی شک و شبہ رہ سکتا ہے نہ التباس و ابہام۔ اس لئے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۲/۱۸۶)۔ "جب بھی ہمیں کوئی پکارتا ہے تو ہم اس

کی پکار کا جواب دیتے ہیں"۔ اسلام کیا ہے کا جواب خدا نے اپنی ۔ ۔ ۔ ۔ کتاب عظیم میں ان چار الفاظ میں دے دیا ہے کہ:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (۵/۴۴)

جو لوگ اپنے معاملات کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق نہیں کرتے انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔

لہٰذا مسلم وہ ہیں جو اپنے تمام معاملات کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کرتے ہیں اور اسلام نام ہے کاروبارِ حیات کو قرآن مجید کے مطابق سرانجام دینے کا۔ میں نے اس اصول کی روشنی میں سالِ گزشتہ اسی تقریب سعید کے خطاب میں یہ بتایا تھا کہ اسلامی نظام کسے کہتے ہیں۔ آج کی نشست میں میں اسی راستے پر ایک قدم آگے بڑھ کر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلامی نظام قائم کس طرح سے ہوگا؟ اس موضوع کی اہمیت کی وضاحت کے لئے میں اُس مثال کو دہرا دینا چاہتا ہوں جو طلوعِ اسلام کی حالیہ اشاعت (بابت فروری ۱۹۸۰ء) میں بجستہ انداز میں پیش کی گئی ہے۔

ایک مثال

آپ نے ہاکی کے میدان کو دیکھا ہوگا۔ اس کی حدود و قیود خاص قواعد و ضوابط کے مطابق متعین کی جاتی ہیں لیکن وہ میدان مقصود بالذات نہیں ہوتا۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہاکی کی ٹیم اس میں آکر اپنے جوہروں کی نمود کرے۔ اب آپ سوچئے کہ اگر کوئی قوم سارا وقت ہاکی کے میدان کے طول و عرض کی بحثوں میں صرف کر دے لیکن ہاکی کی ٹیم تیار کرنے کی طرف کوئی توجہ نہ دے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اگر وہ اس میدان کی حدود و قیود کا صحیح طور پر تعین بھی کر لے لیکن اس کے یہاں ہاکی کی ٹیم نہ ہو تو ان کی ان کاوشوں سے حاصل کیا ہوگا؟ اوّلین کام ہاکی کی ٹیم تیار کرنا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ ہمیں خود حضور نبی اکرمؐ کی سیرت طیبہ سے لگ سکتا ہے۔

مغرب کے مستشرقین کا عام خیال یہ ہے کہ جب تک حضورؐ مکہ میں رہے آپؐ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے رہے

حضورؐ کی مکّی زندگی

جو درحقیقت فریضۂ نبوت تھا۔ اور تشکیلِ مملکت کا خیال مدینہ جا کر پیدا ہوا جب وہاں کی فضا اس کے لئے سازگار نظر آئی۔ یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ فریضۂ نبوت محض وعظ و نصیحت نہیں تھا۔ قرآن کے متعین کردہ نقشے کے مطابق اسلامی نظام یا اسلامی مملکت کا قیام تھا۔ اور یہ مقصد مکہ کی زندگی میں روزِ اوّل ہی سے حضورؐ کے پیشِ نظر تھا۔ یہ حقیقت متعدد تاریخی شواہد سے واضح ہے۔ (مثلاً) تاریخ الکامل ابن اثیر میں ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنی دعوت کے آغاز میں خود اپنے اہلِ خاندان کے نام جو پیغامات بھیجے ان میں ایک پیغام میں فرمایا تھا:-

> یاد رکھو! تمہاری قوم میں آج تک کوئی ایسا جوان پیدا نہیں ہوا جس نے تمہارے سامنے اُس نصب العین سے بہتر نصب العین رکھا ہو جو میں پیش کر رہا ہوں۔ میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری کے لئے آیا ہوں۔ خدا کی بالا دست حکومت کی طرف سے مجھے ہدایت ملی ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف دعوت دوں۔ مجھے اس حکومت کے امور سرانجام دینے کے لئے وزراء کی ضرورت ہوگی۔ کون ہے جو میرے ساتھ وزیر کی حیثیت سے کام کرے؟

اس پیغام کو درج کرنے کے بعد ابن اثیر نے لکھا ہے کہ نبوت کے تیسرے سال آپ نے اُن لوگوں کو "خدا کے حکم کے لئے جمع ہونے کی دعوت دی اور کہا کہ یاد رکھو کہ "یا تو خدا کا حکم غالب آئے گا اور یا میں اپنی جان سے گذر جاؤں گا۔"

اسی قسم کی بات آپ نے قبیلۂ عامر کے اُس بوڑھے سردار کے سوال کے جواب میں کہی تھی جس نے حضورؐ سے پوچھا تھا کہ اگر میں آپ کی دعوت کو قبول کر لوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ "جنت کے باغات" اس نے کہا کہ

یہ آخرت کی بات ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس سے مجھے اس دُنیا میں کیا حاصل ہوگا۔ آپ نے فرمایا :-

نعم۔ النصر والتمکین فی البلاد

خوش آئند فتوحات اور ملکوں پہ حکومت ۔

لہٰذا، یہ نصب العین پہلے دن سے حضورؐ کے سامنے تھا۔ مکی زندگی اس نصب العین کے حصول کی تیاریوں کا مرحلہ تھا۔ یہ تیاریاں کس قسم کی تھیں، اس کی وضاحت قرآن کریم میں موجود ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ اس کے لیے حضورؐ

رفقاء کی تیاری

کو رفقاء کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا تھا : یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (۸/۶۴) " اے رسول! اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے . . . . تمہیں بے شک نصرتِ خداوندی کی ضرورت ہوگی۔ لیکن تنہا یہ نصرت کافی نہیں ہوگی۔ اس کے ساتھ تمہیں ان رفقاء کی جماعت کی بھی ضرورت ہوگی جو تمہارے دست و بازو بنیں گے " اسی جماعت اور اس کے سربراہ کو اللہ تعالیٰ نے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ (۴۸/۲۹) کے تابندہ خطاب سے یاد فرمایا تھا۔ حضورؐ کی مکی زندگی انہی رفقاء کی تیاریوں کا زمانہ تھا اور اُس کا نصاب : یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ (۶۲/۲) " یعنی قوانینِ خداوندی اور ان کی غرض و غایت کی تعلیم اور مناسب تربیت سے ان کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما " خدا آدمی پیدا کرتا تھا۔ رسولؐ ان آدمیوں کو انسان بناتا تھا۔ میرے نزدیک حضورؐ کا سب سے بڑا معجزہ انسانیت سازی تھا ۔ ؎

حق تعالےٰ پیکرِ ما آفرید | وز رسالت در تنِ ما جاں دمید

یہ اسلامی نظام کے قیام کے پروگرام کی اوّلین اہم ترین اور لاینفک کڑی تھی۔ اقبالؒ کے الفاظ میں :-

من از طریق نہ پرسم رفیق می جویم | کہ گفتہ اند نخستیں رفیق باز طریق

اسی جہت سے حضور نبی اکرمؐ کو المزمّل کے حسین اور جامع لقب سے نوازا گیا۔ مزمّل کے معنے ہوتے ہیں وہ سالارِ کارواں

صحابہ کرامؓ

جو رفقائے کارواں کا صحیح انتخاب کرے۔ حضورؐ کے ان رفقائے کارواں میں تمام صحابہ کبارؓ بلا استثناءً شامل ہیں۔ ان ہی کے ہاتھوں سے یہ نظام قائم ہوا اور آگے چلا تھا۔ نظامِ اسلام جب بھی دوبارہ قائم ہوگا اس کے لیے اوّلین شرط اسی قسم کی جماعتِ مؤمنین کا وجود میں لانا ہوگا۔ یاد رکھیئے! کوئی شخص نہ حضورؐ کے زمانے میں پیدائشی مؤمن تھا نہ اب پیدائشی مؤمن ہوگا۔ حضورؐ نے بھی ضروری تعلیم و تربیت سے مؤمنین کی جماعت تیار کی تھی اور اب بھی اسی طریق سے مؤمنین کی جماعت کا تیار کیا جانا لاینفک ہوگا۔ اسلامی نظام انہی کے ہاتھوں قائم ہو سکے گا۔

میں نے ابھی ابھی کہا ہے کہ حضورؐ کی تیار کردہ جماعت میں تمام صحابہ کبارؓ شامل تھے۔ میرے لئے یہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے کہ میں ان سب کی سیرت و کردار کے نمایاں خط و خال پیش کر سکوں۔ مجھے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا

حضرت عمر فاروقؓ

اور یہ منتخب ہستی حضرت عمر فاروقؓ ہیں۔ میرے اس انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو خود نبی اکرمؐ نے انہیں خدا سے مانگ کر لیا تھا اور دوسرے یہ کہ اسلامی نظام انہی کے زمانۂ خلافت میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ منصّۂ شہود پہ آیا تھا۔ اس نظام کا سنگِ بنیاد حضور نبی اکرمؐ کے

مقدس ہاتھوں سے رکھا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس نوزائیدہ نظام کی، مخالفین کی یورشوں سے، مدافعت کی اور اس طرح اسے اس قابل بنا دیا کہ یہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مکمل شکل میں سامنے آجائے۔ میں نے اپنی کتاب "شاہکارِ رسالت" میں اس دور کا پورا نقشہ مرتب کر کے ملت کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ میرا آج کا خطاب بھی اسی سے مقتبس ہے۔

دعائے نبویؐ

میں نے کہا ہے کہ نبی اکرمؐ نے حضرت عمرؓ کو (یا یوں کہیئے کہ عمر ابن الخطاب کو) خدا سے مانگ کر لیا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضورؐ نے خدا سے دعا کی تھی کہ

یا الہ العالمین! اسلام کو ابوجہل یا عمر ابن الخطاب کے ذریعے تقویت بخش۔ ان دونوں میں سے جو بھی تجھے محبوب ہو، اسے مشرف بہ اسلام فرما۔

ابوجہل، عمر ابن الخطاب کا ماموں تھا۔ ان دونوں کا معاشرہ میں کیا مقام تھا اور ان کی مضمر صلاحیتوں کی کیا کیفیت تھی اس کا اندازہ حضورؐ کی اس دعا سے لگ سکتا ہے۔ تعلیم و تربیت نبویؐ، انسانی صلاحیتوں کو جس قسم کی جلا دے کر انہیں احسن تقویم کا مظہر بنا دیتی ہے، اس سے عمر ابن الخطاب، فاروقِ اعظمؓ بن کر آسمانِ انسانیت پر مہرِ عالمتاب کی طرح، ایسے چمکا کہ اس کی ضوفشانیاں ابدالآباد تک وجہِ تابندگیِ عالم بن گئیں۔ اور ابوجہل اس سے محروم رہا تو جہالت کی زندگی جیا اور ذلت کی موت مرا۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق ہمارے ہاں جو روایات عام طور پر مشہور ہیں وہ کچھ صحیح نظر نہیں آتیں۔

اسلام لانے کا واقعہ

کہا یہ جاتا ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ گلی میں سے گذر رہے تھے کہ ان کی ہمشیرہ کی زبان سے قرآن مجید کی چند آیات اتفاقاً آپ کے کان میں پڑ گئیں۔ پہلے تو ان کا ردِ عمل سختی اور درشتی کا تھا یہاں تک کہ انہوں نے اپنی بہن اور بہنوئی کو پیٹ بھی دیا لیکن بعد میں وہ ان سے متاثر ہو کر اسلام لے آئے۔ یہ روایت اس لئے قرینِ قیاس نظر نہیں آتی کہ:

(۱) حضرت عمرؓ لکھے پڑھے تھے وہ ملک سے باہر دوسری اقوام کے زعمائے سیاست اور مشاہیر فکر و تدبر سے ملاقاتیں کرتے۔ ان کے ذوقِ تجسس کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے تورات کو براہ راست سمجھنے کے لئے عبرانی زبان سیکھی اور اس پر عبور حاصل کر لیا۔

(۲) حضور نبی اکرمؐ کی انقلابی دعوت چھ برس سے مکہ میں ہیجان پیدا کر رہی تھی۔ حضورؐ خلوت و جلوت میں قرآنی پیغام کو عام کر رہے تھے۔ یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ عمر ابن خطاب جیسا انسان اس دعوت کے ما لہٗ و ما علیہ سے بے خبر رہا ہو اور اس نے اس سے پہلے قرآنی آیات کو نہ کبھی سنا ہو نہ انہیں درخورِ اعتنا سمجھا ہو۔ حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود بیان کیا ہے۔ اسے غور سے سنیئے اور جھوم جائیے۔ ان کا بیان ہے:

جاہلیت میں، میں شراب کا رسیا تھا۔ ہر شب، ہم، یارانِ قدح خوار کی ایک رنگین محفل جما کرتی تھی۔ ایک رات میں گیا تو وہاں کسی کو موجود نہ پایا۔ میں کئی ایک اور مقامات میں پہنچا لیکن اتفاق کہ شراب

مجھے وہاں بھی نہ ملی۔ اب میں نے سوچا کہ یوں گھر لوٹنے کی بجائے، کعبہ کا طواف ہی کرتا جاؤں۔ حریمِ کعبہ میں سناٹا تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص تنہا محوِ عبادت ہے اور اونچی آواز سے کچھ پڑھ رہا ہے۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ محمد رسول اللہ ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ موقع اچھا ہے۔ دیکھو کہ یہ شخص تنہائی میں کیا کرتا اور کیا کہتا ہے۔ دبے پاؤں آگے بڑھا۔ ممتاط تھا کہ وہ مجھے دیکھ نہ لیں اس لئے میں غلافِ کعبہ میں چھپ گیا اور سرکتا سرکتا ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں مجھ میں اور ان میں غلافِ کعبہ کے سوا کچھ اور حائل نہ تھا۔ آپ نہایت جذب وکیف کے عالم میں کھڑے، قرآن مجید کی یہ آیات پڑھ رہے تھے فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ وَمَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ۔ ان الفاظ میں کچھ ایسا بلا کا اثر تھا کہ میں نے کہا کہ قریش جو کہتے ہیں کہ یہ شخص نہایت بلند پایہ شاعر ہے تو وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں، کہ اتنے میں آپ نے اگلی آیت پڑھی کہ اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ۔ قَلِيۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ۔ میں نے کہا کہ یہ تو اپنے شاعر ہونے سے بھی انکار کرتا ہے۔ تو پھر جیسا کہ قریش کہتے ہیں کہ یہ کاہن ہوگا، کہ اتنے میں میرے کان میں یہ الفاظ پڑے کہ وَلَا بِقَوۡلِ كَاهِنٍ۔ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ۔ قرآن کے اسلوبِ بیان نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ میں نے کہا کہ اگر یہ نہ کسی شاعر کا کلام ہے، نہ کاہن کا، تو پھر یہ ہے کیا؟ میرے دل کی اس بات کا جواب مجھے ان الفاظ میں ملا۔ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (٣٨-٤٣ / ٦٩)۔ آپ یہ پڑھتے جا رہے تھے اور مجھ پر ایک عجیب وغریب کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی۔

بھیگی ہوئی رات، تاروں کی چھاؤں، حریمِ کعبہ اور اس میں کامل سکوت۔ اس سکون افزا ماحول میں خود صاحبِ قرآن کی زبانِ اقدس سے قرآن کی آیات کی تشدید روح پرور۔ کشش ومحویت کے ان تمام عناصر کے حسین امتزاج نے وہ کیفیت پیدا کی جو ابن خطاب کے فکری ارتقاء کے نقطۂ عروج اور نفسیاتی تغیر کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے کا موجب بن گئی۔ یہ وہ مقام تھا جس کے متعلق اقبالؒ نے کہا ہے کہ،

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر ۔۔۔ کرتے ہیں خطاب آخر، اٹھتے ہیں حجاب آخر

خلوت کی گھڑی گذری۔ جلوت کی گھڑی آئی ۔۔۔ چھٹنے کو ہے بجلی سے آغوشِ سحاب آخر

اس مقام پر عمرؓ کی شدتِ شوق وہ فلیتہ بن گئی جس نے شکوک وشبہات کے خس وخاشاک کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا، اور ان کے پیچھے، لاشعور میں پہلو بدلنے والے قیاسات کو یقینِ محکم کی شکل میں، شعور کی سطح پر لے آنے کا موجب بن گئی۔ (عمرؓ کا بیان ہے) :-

رسول اللہ قرآن پڑھتے جا رہے تھے اور میں بے اختیار روتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے نماز ختم کر لی اور گھر جانے کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ میں بھی دبے پاؤں آپ کے پیچھے ہو لیا۔ گھر کے نزدیک پہنچے تو میں قریب ہو گیا۔ آپ نے آہٹ پا کر مڑ کر دیکھا تو مجھے پہچان لیا اور پورے دبدبے کے ساتھ کہا۔

ابن خطاب! تم ایسے وقت میں یہاں کیسے؟

آپ کے سامنے اُس وقت ابن خطاب نہیں تھا۔ تین دن پہلے جو آپ نے دُعا مانگی تھی، اس کی قبولیت مجسّم پیکر میں سامنے تھی۔ ابن خطاب نے کہا کہ

یہ گواہی دینے کے لئے کہ آپ خدا کے سچے رسولؐ ہیں۔

اس پر حضورؐ نے خدا کا شکر ادا کیا اور میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر، میرے لئے ثبات و استقامت کی دعا مانگی۔

عمرؓ اسلام لے آیا اور اس کی حیاتِ نَو پہ:-

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شُد — حُسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شُد
آرزو بیخبر از خویش باغوشِ حیات — چشم واکرد و جہانِ دگرے پیدا شُد
زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر
تا ازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شُد

یہ ہے حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کا وہ واقعہ جسے انہوں نے خود بیان فرمایا — وہ واقعہ جس سے مقناطیس اور فولاد کا غیر مرئی اور غیر محسوس رشتہ نگاہوں کے سامنے آجاتا اور اس حقیقت کو بے نقاب کر دیتا ہے کہ مقناطیس کی طرف کھینچ کر جانے کے لئے فولاد بننا ضروری ہے۔ یا، یوں کہیئے کہ مقناطیس، فولاد کو اپنے آغوش میں لیتا ہے، مٹی کے ڈھیلے کو نہیں۔ وہ پکار کر کہتا ہے کہ ؎

بجلی ہوں نظر کوہ و بیاباں پہ ہے میری — میرے لئے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے

ابن خطاب، شراب کی تلاش میں بھٹکا پھر رہا تھا، خمکدۂ ایقان سے اسے ایسا جرعۂ جہانتاب نصیب ہو گیا جس نے حقیقتوں پر پڑے ہوئے سب پردے اٹھا دیئے، اور وہ ابن خطاب سے فاروقِ اعظمؓ بن گیا۔

صد سالہ دورِ چرخ تھا ساغر کا ایک دَور
نکلے جو میکدے سے تو دُنیا بدل گئی

اوّلین خطبات خلیفہ منتخب ہونے کے بعد آپ نے جو دو خطبات ارشاد فرمائے وہ اس حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں کہ جن لوگوں کے ہاتھوں اسلامی نظام قائم اور مستحکم ہوتا ہے ان کے پیشِ نظر مقاصد کیا ہوتے ہیں اور ان کے عزائم کیا۔ آپ نے خطبۂ اوّل میں ارشاد فرمایا:-

حضرت عمرؓ کا پہلا خطبہ

لوگو! میں تمہیں میں سے ایک انسان ہوں۔ اگر مجھے خلیفۂ رسولؐ اللہ کی حکم عدولی گوارا ہو سکتی تو میں ہرگز یہ ذمہ داری قبول نہ کرتا۔

آپ نے یہ الفاظ ایسے خلوص اور انکساری کے ساتھ کہے کہ سامعین کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئے۔ چنانچہ انہوں نے محسوس کیا کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے جو کہا تھا کہ خلافت کی ذمہ داریاں (حضرت) عمرؓ کی سختی کو نرمی سے بدل دیں گی، وہ درست تھا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا کہ لوگو! میں خدا سے تین دعائیں مانگتا ہوں۔ تم آمین کہو۔ انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور نہایت عجز و الحاح سے کہا :-

بارالہا! میں سخت ہوں۔ مجھے حق کی موافقت، اپنی رضا طلبی اور احساس آخرت کے لئے نرم کر دے۔

یہ کہہ کر آپ خاموش ہو گئے۔ سامعین نے آمین کہا، تو آپ نے دوسری دعا مانگی کہ

یا اللہ! میں کمزور ہوں۔ مجھے قوی بنا دے تاکہ میں دین کے دشمنوں، منافقوں اور فحش کاروں کا مقابلہ کر سکوں۔ لیکن ایسا قوی نہیں کہ میں ان کے حق میں ظالم بن جاؤں اور ان پر دست درازی کرنے لگ جاؤں۔

آپ پھر خاموش ہو گئے۔ مجمع پر سناٹا چھا رہا تھا۔ لوگوں نے آمین کہا۔ تو آپ نے بدرگاہِ رب العزت عرض کیا کہ

یا اللہ! میں بخیل ہوں۔ مجھے امورِ خیر کے لئے سخی بنا دے۔ لیکن اس سخاوت میں ریاکاری کا شائبہ نہ ہو۔

مجمع پر سکوت چھا رہا تھا۔ تھوڑے سے توقف کے بعد آپ نے فرمایا :-

ایھا الناس! اللہ نے میرے دو رفقاء کے بعد مجھے تم میں باقی رکھا ہے تاکہ وہ میرے ذریعے تمہاری اور تمہارے ذریعے میری آزمائش کرے۔ تمہارا جو معاملہ میرے سامنے آئے گا میں اسے کسی دوسرے پر نہیں چھوڑوں گا بلکہ خود سرانجام دوں گا۔ البتہ جو معاملہ ایسا ہو گا جس میں مجھے دوسروں کی معاونت کی ضرورت ہو گی تو اس کے لئے میں حتی الامکان ایسے لوگوں کو متعین کروں گا جن کی صداقت اور امانت میں شبہ نہ ہو۔ اگر وہ لوگ صحیح راستے پر چلیں گے تو میں ان کے ساتھ نیک سلوک کروں گا۔ اگر غلط روش اختیار کریں گے تو انہیں عبرت ناک سزا دوں گا۔

اس کے بعد آپ نے سامعین سے کہا کہ

قرآن پڑھا کرو۔ اسی سے تمہاری قدر و منزلت ہو گی۔ اور اسی پر عمل کرو تاکہ تم حامل قرآن ہو جاؤ۔ اپنے نفوس کا وزن کرو اس سے پیشتر کہ تمہارا وزن کیا جائے۔ قیامت کے دن کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو جب تم خدا کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں رہے گی۔

اس کے بعد پھر اپنے لئے ایک اور دعا مانگی جس میں کہا کہ

بارالہا! مجھے تفکر و تدبر قرآنی عطا فرما تاکہ میں جو کچھ قرآن سے پڑھوں اسے اچھی طرح سمجھ سکوں اور اس کے نوادرات پر غور کر سکوں۔

یا اللہ! تو مجھے توفیق عطا فرما کہ میں جب تک زندہ رہوں تیری کتاب پر عمل پیرا رہوں۔ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

یہ مختصر خطبہ تھا۔ دوسرے، قدرے مفصل خطبہ میں آپ نے حمد و ثنا کے بعد برسرِ منبر فرمایا :-

مفصل خطبہ

مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میری سختی سے خائف اور میری درشتی سے لرزاں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عمرؓ اس وقت بھی ہم پر سختی کرتا تھا جب ہم رسول اللہ کے سایۂ عاطفت میں تھے اور اس وقت بھی جب ہمارے اور اس کے درمیان حضرت صدیق اکبرؓ حائل تھے۔ لیکن اب کیا ہو گا جب ہم میں نہ رسول اللہ موجود ہیں نہ ابوبکر صدیقؓ۔ اور معاملات تمام کے تمام اس کے ہاتھ میں ہیں۔

جو شخص بھی یہ کہتا ہے وہ ٹھیک کہتا ہے۔ لیکن ایسا کہتے وقت وہ بھول جاتا ہے کہ مجھے رسول اللہؐ کی مصاحبت کا شرف حاصل تھا اور میں ان کا فرماں پذیر تھا۔ وہ سراپا نرمی اور رحمت تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ وہ مؤمنین کے لئے راحت اور رحمت کا سرچشمہ ہیں۔ بارگاہِ رسالتؐ میں میری حیثیت ایک شمشیر برہنہ کی سی تھی۔ جب حضورؐ چاہتے اس شمشیر کو اذن کار عطا کر دیتے اور جب چاہتے اسے نیام میں رکھ لیتے۔ میں حضورؐ کی خدمت میں اسی طرح رہا تاآنکہ اللہ نے آپ کو یاد فرمالیا۔ حضورؐ آخر وقت تک مجھ سے خوش رہے۔ اس پر میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں اور اس سعادتِ عظمیٰ پر مجھے فخر و ناز ہے۔

اس کے بعد اُمّت کی زمام کار حضرت ابوبکرؓ صدیق کے سپرد کر دی گئی جن کے تحمل اور نرمی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ میں ان کا بھی خادم اور مددگار رہا اور اپنی سختی کو ان کی نرمی میں سمو دیتا تھا۔ میں حسب سابق ایک برہنہ تلوار تھا جسے وہ جس وقت چاہتے بروئے کار لاتے، اور جب چاہتے زیرِ نیام کر لیتے۔ میں اسی طرح ان کے ساتھ رہا یہاں تک کہ خدا نے انہیں ہم سے جُدا کر دیا۔ وہ بھی آخر دم تک مجھ سے خوش رہے۔ اس پر میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں۔ اور یہ سعادت میرے لئے وجۂ مسرت ہے۔

اور اب کہ، اے لوگو! تمہارے معاملات کی ذمہ داری میرے کندھوں پر رکھ دی گئی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میری وہ سختی نرمی میں بدل گئی ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لئے بدستور قائم ہے جو ظلم اور زیادتی سے کام لیں۔ رہے وہ لوگ جو امن و سلامتی سے رہتے اور جراتِ ایمانی رکھتے ہیں، تو ان کے لئے میں سب سے زیادہ نرم ہوں۔ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کرے گا تو میں اُسے اُس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک اس کا ایک رخسار زمین پر ٹکا کر دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں رکھ دوں تاآنکہ وہ حق کے سامنے سرِ انداز ہو جائے۔ لیکن اس تمام سختی کے باوجود، میں اہلِ حق کے لئے خود اپنے رخسار زمین پر رکھ دوں گا۔

لوگو! مجھ پر تمہارے کچھ حقوق ہیں جو میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ تم اپنے یہ حقوق مجھ سے حاصل کرو۔ اور تم پر میرا صرف یہ حق ہے کہ تمہارے خراج اور مالِ غنیمت میں سے جو اللہ تمہیں عطا کرے (یعنی مملکت کی آمدنی میں سے) اپنے کفاف کے لئے لوں، لیکن اسے ناحق نہ لوں۔ تمہارا مجھ پر یہ حق بھی ہے کہ میں تمہارے عطیات اور وظائف میں اضافہ کروں اور تمہاری سرحدوں کو مستحکم کروں۔

اور یہ حق بھی کہ تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں۔ تمہیں بلاضرورت گھر واپس آنے سے نہ روکے رکھوں۔ اور جب تم کسی جنگ پر جاؤ تو ایک باپ کی طرح تمہارے اہل و عیال کی نگہداشت کروں۔

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! میرا ہاتھ بٹاؤ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں میری مدد کرو۔ تمہاری جو خدمات اللہ نے میرے سپرد کی ہیں ان کے متعلق مجھے نصیحت کرتے رہو۔ میں تم سے یہ کچھ کہہ رہا ہوں اور اپنے اور تمہارے لئے اللہ سے مغفرت طلب کر رہا ہوں۔ میں یوم الحساب

کا منتظر ہوں۔ جب مجھے یہ بتانا ہوگا کہ میں نے تم سے کیا لیا اور اسے کیسے خرچ کیا۔
یہ تھا مملکتِ اسلامیہ کا وہ منشور جس سے عہدِ فاروقی کا آغاز ہوا۔

منصبِ خلافت پر سرفراز ہونے کے بعد سب سے پہلا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ مملکت کے مال و دولت میں سربراہِ مملکت کا حصہ کس قدر ہونا چاہیئے۔ یہ سوال سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا کہ معلوم

سربراہِ مملکت کا وظیفہ

کرو کہ مدینہ میں ایک مزدور کی کم از کم روزانہ اجرت کیا ہے وہی اُجرت آپ نے اپنے لئے بطورِ وظیفہ مقرر کر لی۔ رفقاء میں سے ایک نے کہا کہ اتنے کم روزینے میں آپ کا گزارہ کس طرح ہوگا، تو آپ نے فرمایا کہ اُسی طرح جس طرح اس میں اس مزدور کا گذارہ ہوتا ہے۔ اور اگر گذارہ نہ ہوا تو میں اس مزدور کی اُجرت بڑھا دوں گا تاکہ اس طرح خود میرا وظیفہ بڑھ جائے۔ میرا معیارِ زیست مزدور سے بلند نہیں ہونا چاہیئے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے لئے جو وظیفہ مقرر کیا وہ یہ تھا:۔

کپڑوں کے دو جوڑے، ایک سردی کا ایک گرمی کا۔ حج اور عمرہ کے لئے ایک ایک احرام اور میرے اور میرے اہل و عیال کے لئے فی کس اتنا کھانا جو قریش کے ایک آدمی کی خوراک ہے۔ نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم۔ اس کے بعد میں مسلمانوں کا ایک فرد ہوں۔ جو ان کا حال سو میرا حال۔ ان کپڑوں کا اور اس خوراک کا اندازہ کیا تھا، اس کی بابت آگے چل کر بات ہوگی۔

تاریخ انسانیت میں تین ایسی خطرناک گھاٹیاں آتی ہیں جہاں سے پھسلنے کے بعد قومیں سیدھی جہنم میں جا گرتی ہیں۔

تین خطرناک گھاٹیاں

فرعون یعنی ملوکیت۔ ہامان یعنی مذہبی پیشوائیت اور قارون یعنی رزق کا مسئلہ۔ خلافت میں ملوکیت تو خود بخود جڑ سے کٹ جاتی ہے۔ باقی دو گھاٹیوں کے متعلق حضرت عمرؓ نے قوم کو ابتداء ہی سے ان خطرات سے آگاہ کر دیا۔ رزق کے متعلق کہا :۔

اے لوگو! تم میں سے کوئی شخص رزق کی طلب و جستجو سے فارغ ہو کر نہ بیٹھ جائے اور یہ کہتا رہے کہ اے اللہ مجھے رزق دے۔ یاد رکھو! آسمان سے کوئی سونا نہیں برستا۔ اللہ ایک انسان کو دوسرے انسان کے ہاتھوں رزق پہنچاتا ہے۔

اس کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے تمام انسانوں کے رزق کی جو ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے وہ اسے براہِ راست پوری نہیں کرتا۔ وہ اسلامی نظام کے ہاتھوں پوری ہوتی ہے۔ پیدائشِ رزق کے متعلق آپ نے فرمایا کہ

متوکل وہ ہے جو زمین میں دانہ ڈالتا ہے اور پھر خدا کے قانون پر بھروسہ کرتا ہے۔

قرآن کافی ہے

جہاں تک مذہبی پیشوائیت کا تعلق ہے ایک شخص ایک دفعہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ امیر المومنین جب ہم نے مدائن فتح کیا تو میرے ہاتھ ایک کتاب لگی جس میں بڑی اچھی باتیں لکھی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا قرآن سے بھی زیادہ اچھی؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا :۔

یاد رکھو تم سے پہلی اُمتیں اس وجہ سے برباد ہوئیں کہ وہ اپنے احبار و رہبان (علماء و مشائخ) کی کتابوں پر ٹوٹ پڑیں اور خدا کی کتابوں کو چھوڑ دیا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ خدا کی کتابیں مٹ گئیں اور اس طرح دین ان کے یہاں سے ضائع ہو گیا۔ تم ایسا نہ کرنا۔

فاروقی نگاہ اسے کہتے ہیں! حسبنا کتاب اللہ آپ ہی کا ارشاد تھا۔

حاکم و محکوم کا تعلق

تاریخ انسانیت میں وہ مشکل ترین مسئلہ جس کا اطمینان بخش حل آج تک دریافت نہیں ہو سکا یہ ہے کہ حاکم اور محکوم کے تعلقات کس قسم کے ہونے چاہئیں۔ اسلام میں حاکم اور محکوم کی تفریق اور تمیز تو باقی نہیں رہتی کیونکہ اس میں کسی انسان کو حقِ حکومت حاصل ہی نہیں ہوتا لیکن اس میں بھی ایسے ارباب حل و عقد تو بہرحال ہوتے ہیں جن کے ہاتھوں معاشرہ کا نظم و نسق سرانجام پاتا ہے۔ اسلامی نظام میں ان ارباب نظم و نسق کی پوزیشن کیا ہوتی ہے، اس کے متعلق حضرت عمرؓ فاروق کے بکثرت ارشادات تاریخ میں منقول ہیں۔ میں ان میں سے دو چار مثالاً پیشِ خدمت کرتا ہوں۔ انہوں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے نام اپنے مکتوب میں ایک فقرہ ایسا لکھا جس میں فلسفۂ سیاست و اخلاق کی ساری تفصیل سمٹ کر آگئی ہے۔ آپ نے لکھا:-

اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ اللہ کے ہاں تمہارا مقام کیا ہے تو یہ دیکھو کہ اللہ کی مخلوق تمہیں کیسا سمجھتی ہے۔ اچھی طرح جان لو کہ اللہ کے یہاں تمہارا مرتبہ وہی ہے جو مخلوق کے یہاں ہے۔

حضرت عمروؓ بن عاص کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا کہ

تم اپنی رعایا کے لئے ایسے بن جاؤ کہ اگر تم رعایا ہو تو تم چاہو کہ تمہارا امیر ایسا ہونا چاہیے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مجلس میں تکیہ لگا کے بیٹھتے ہو۔ ایسا ہرگز نہ کرو۔ عام لوگوں کی طرح بیٹھا کرو۔

ان ہی کے نام ایک اور خط میں لکھا :-

یاد رکھو! جب حاکم بگڑ جاتا ہے تو رعایا بھی بگڑ جاتی ہے۔ سب سے بدبخت وہ انسان ہے جس کی وجہ سے اس کی رعایا بدبخت ہو جائے۔

ایک دفعہ فرمایا :-

وہی حکومت درست رہ سکتی ہے جس میں نرمی ہو لیکن کمزوری کی وجہ سے نہیں۔ اور جس میں سختی ہو لیکن استبداد کی بناء پر نہیں ـــــ بلا ضعف نرمی اور بلا جبر قوت یہ ہے اصل الاصول۔

ایک خطبے میں فرمایا :-

جو تکبر پیدا کر کے غالب آیا وہ غالب نہیں مغلوب ہے۔ جس نے ناجائز طریق سے کامیابی حاصل کی وہ کامیاب نہیں ناکام ہے۔ جس میں تکبر ہو سمجھ لو کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہے۔

جو امور سلطنت کے لئے خطرناک ہوتے ہیں ان میں آپ نے ایک ایسا اصول بیان کیا کہ جوں جوں نگہ بصیرت اس پر غور کرتی ہے انسان وجد میں آجاتا ہے۔ فرمایا :-

طاقت در دغاش اور کمزور دیانتدار، دونوں حکومت کے لئے نقصان رساں ہوتے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت عمیرؓ بن سعد نے حمص میں ممبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا :-

جب تک اسلام میں حکومت کا زور ہے وہ ناقابلِ شکست رہے گا۔ لیکن حکومت کے زور کا مطلب تلوار سے قتل کرنا اور تازیانے مارنا نہیں، بلکہ حق کے ساتھ فیصلہ اور انصاف کے ساتھ مؤاخذہ کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ نے سُنا تو فرمایا کہ عمیر میرے قریب ہوتے تو ان کے مشوروں سے کس قدر مستفید ہوتا !

آپ نے ایک دفعہ حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کو ایک تفصیلی مراسلہ بھیجا جس میں بعض بنیادی ہدایات درج تھیں۔ وہ ایسا اہم ہے کہ جی چاہتا ہے کہ اُسے سارے کا سارا آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ غور سے سُنیئے۔ فرمایا :-

جب بھی کبھی دو ایسے معاملات سامنے آئیں جن میں ایک "اللہ کے لئے" ہو اور دوسرا دُنیا (کے طبعی مفاد) کے لئے۔ تو دُنیا سے متعلق حصہ پر اللہ سے متعلق حصہ کو ترجیح دو (یعنی دنیاوی مفاد کو ہمیشہ مستقل اقدارِ خداوندی کے تابع رکھو)۔ اگر کبھی قبائلی تنازعہ ابھرے اور کوئی شخص "یا آلِ فلاں" کہہ کر آواز دے تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کی آواز ہے۔ ایسا کہنے والوں کی تلوار سے خبر لو، تاکہ وہ اللہ اور اپنے امام کی طرف رجوع کر لیں۔ مجھے یہ اطلاع پہنچی ہے کہ قبیلہ ضبہ کے بعض افراد نے "یا آلِ ضبہ" کہہ کر پکارا ہے۔ (اگر یہ سچ ہے تو) میرا مراسلہ پہنچتے ہی انہیں سخت سزا دو تاکہ وہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کریں۔

قبائلی عصبیت

آپ نے خود فرمایا، عزیزانِ من! کہ اسلام میں قبائلی تفریق کس قدر سنگین جرم قرار پاتی ہے۔ بہرحال، آپ نے اپنے مکتوب میں لکھا

جہاں تک تمہاری ذات کا تعلق ہے تم سب کے لئے اپنے دروازے یکساں طور پر کھلے رکھو۔ ان کے کام خود سرانجام دو۔ مریضوں کی عیادت کرو۔ ان کے جنازوں میں شرکت کرو کیونکہ تم ان ہی میں کے ایک فرد ہو، اس فرق کے ساتھ کہ اللہ نے تم پر بہت بڑی ذمہ داری ڈال دی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اور تمہارے گھر والے ایسا کپڑا پہنتے، ایسا کھانا کھاتے اور ایسی سواریاں رکھتے ہیں، جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں۔ خدا کے بندے! بچ۔ کہیں تیرا حال اس جانور کا سا نہ ہو جائے جس کا گذر ایک شاداب وادی پر ہوا تو سوائے تن پروری اور فربہی کے اس کے سامنے کوئی مقصد ہی نہیں رہا، حالانکہ وہی تن پروری اور فربہی اس کی ہلاکت کا موجب تھی۔ اچھی طرح یاد رکھو کہ حاکم کو خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔ جب حاکم بگڑتا ہے تو رعایا بھی بگڑ جاتی ہے۔ سب سے بدبخت وہ انسان ہے جس کی وجہ سے اس کی رعیت بدبخت ہو جائے۔

یہ تھا حضرت عمرؓ کی احتیاط کا عالم، اور اس قسم کی تھیں ان کی ہدایات جو وہ ذمہ دارانِ مملکت اور سپہ سالارانِ جیوش و عساکر کو بھیجتے رہتے تھے۔

قابلِ اعتماد کون ہوتا ہے

اکثر سوال پیدا ہوتا ہے کہ قابلِ اعتماد کس شخص کو سمجھا جائے۔ اس باب میں آپ نے ایسا معیار بیان فرمایا ہے کہ اس سے یہ اہم سوال نہایت عمدگی سے حل

ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص سے آپ نے کہا کہ اپنی بات کی تائید کے لئے کسی ایسے آدمی کو لاؤ جو قابلِ اعتماد ہو۔ اس نے ایک آدمی کا نام لیا تو آپ نے اس سے پوچھا:-

کیا تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟ ——— اس نے کہا نہیں۔

پھر پوچھا: کیا تم کبھی اس کے ہمسایہ رہے ہو؟ ——— اس نے کہا نہیں۔

آپ نے پھر پوچھا: کہ کیا اس کے ساتھ تمہارا کبھی کوئی معاملہ پڑا ہے۔

جب اس نے اس پر بھی کہا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا پھر تم اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اسے مسجد میں سر جھکاتے، سر اٹھاتے دیکھ لیا ہو گا اور اس سے سمجھ لیا کہ وہ قابلِ اعتماد ہے۔

غور کیجئے کہ کسی شخص کے ثقہ اور قابلِ اعتماد ہونے کے لئے آپؓ نے کیا معیار قرار دیا ہے۔

اور آپؓ کا یہ قول تو ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ کسی شخص نے کہا کہ مؤمن کسی کو دھوکہ نہیں دیتا آپ نے کہا کہ بات پوری کہو "مؤمن نہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے نہ کسی سے دھوکہ کھاتا ہے"۔

دیانت و امانت

اب آیئے دیانت کی طرف۔ آپؓ سے کسی نے پوچھا کہ خلافت کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو اتنا ہی جانتا ہوں کہ خلیفہ سے پوچھا جائے گا "کہاں سے لیا اور کہاں خرچ کیا" اگر وہ خدا کو اس کا اطمینان بخش جواب دے سکا تو خلافت ہے ورنہ ملوکیت۔ اور یہ درحقیقت تفسیر تھی حضور نبی اکرمؐ کے اس ارشادِ گرامی کی کہ

سربراہِ مملکت کی حیثیت ایک خزانچی کی ہوتی ہے اس کے پاس ڈھیروں مال جمع رہتا ہے لیکن سب اس لئے کہ جہاں تقسیم کرنے کا اُسے حکم دیا جائے وہاں تقسیم کر دے۔

ایک درہم

اس معاملے میں حضرت عمرؓ کی احتیاط کی شدت کا کیا عالم تھا، اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن میں اس باب میں ایک ایسی مثال پیش کرنے پر اکتفا کروں گا جو بظاہر اتنی چھوٹی ہے جیسے آنکھ کا تل لیکن اس میں تفصیلات کا تاروں بھرا آسمان سمویا ہوا ہے۔ ایک دن بیت المال کا خزانچی جھاڑو دینے لگا تو کوڑے میں سے ایک درہم ہاتھ لگا (درہم اس زمانے کا چھوٹے سے چھوٹا سکہ تھا) اتفاق سے حضرت عمرؓ کے گھر کا ایک بچہ پاس کھڑا تھا۔ اس نے وہ درہم اس بچے کو دے دیا اور گھر چلا گیا۔ ابھی گھر پہنچا ہی تھا کہ امیر المؤمنین کا بلاوا آ گیا۔ وہ آیا تو دیکھا کہ وہی درہم آپ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے اس سے کہا کہ میرے بھائی! میں نے تمہارے ساتھ کون سی زیادتی کی تھی جو تم نے مجھ سے اس طرح بدلا لینا چاہا۔ تم سوچو کہ قیامت کے دن جب اُمتِ محمدیہ مجھ سے اس درہم کی بابت پوچھے گی تو میں کیا جواب دوں گا۔

سربراہِ مملکت کی اس دیانت کا نتیجہ تھا کہ مملکت کے چھوٹے سے چھوٹے اہل کار بھی اسی طرح کے امین اور

مدائن کا مالِ غنیمت

اور دیانتدار بن گئے تھے۔ جب مسلمانوں نے ایوان فتح کیا ہے تو وہاں سے اس قدر مالِ غنیمت حاصل ہوا جس کا تصور تک بھی کبھی عربوں نے نہیں کیا تھا ——— کروڑوں نہیں اربوں درہم و دینار۔ جواہرات اور نوادرات کے ڈھیر۔ زرکار فرش و ملبوسات وغیرہ۔ حضرت سعدؓ نے جب

یہ مال و دولت دارالخلافہ میں بھیجا تو اس کے ساتھ امیرالمؤمنین کو خط بھی لکھا جس میں کہا کہ اس مال و دولت کو دیکھ کر یقیناً آپ کو خوشی ہوگی۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ خوشی اس بات سے ہوگی جو میں اب لکھ رہا ہوں۔ یہ تمام زر و جواہرات مسلمان سپاہیوں کے قبضے میں تھے اور ایسے ایسے مقامات سے ملے تھے جہاں انہیں کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔ لیکن ان میں سے کسی نے ایک سوئی بھی اپنے پاس نہ رکھی۔ سب کچھ لاکر اپنے قائد کے سامنے رکھدیا یہ پڑھ کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے اور کہا کہ اس قسم کی دیانت اور امانت کی مثال کہاں مل سکتی ہے؟ حضرت علیؓ پاس کھڑے تھے انہوں نے کہا کہ امیرالمؤمنین آپ کو معلوم ہے کہ سپاہیوں کی اس دیانت کا راز کیا ہے؟ راز یہ ہے کہ

چونکہ آپ کا دامن پاک ہے اس لئے آپ کی رعایا بھی پاکدامن ہے۔ اگر آپ کی نیت ٹھیک نہ ہوتی تو رعایا کی نیت میں بھی فرق آجاتا۔

عُمّال کی روش زندگی کا اثر

عُمّالِ حکومت کے اخلاق و کردار تو ایک طرف، ان کی عام روشِ زندگی کا اثر عوام پر کس قدر پڑتا ہے اور اس کی اہمیت کا آپ کو کس قدر احساس تھا اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ ایک دفعہ آپ نے دیکھا کہ حضرت طلحہؓ طواف میں رنگا ہوا کپڑا پہنے تھے۔ آپ نے کہا کہ طلحہ! طواف میں رنگدار کپڑا بچہ معنے دارد؟ انہوں نے کہا کہ یہ تو مٹی کا رنگ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ طلحہ! دوسرے لوگوں کی نسبت آپ حضرات کو زیادہ محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ آپ لوگوں کے امام (لیڈر) ہیں جن کی اقتدا عوام کرتے ہیں۔ اگر کوئی جاہل آدمی آپ کو دیکھے گا تو وہ اپنے لوگوں سے کہے گا کہ میں نے حضرۃ طلحہؓ کو بحالت طواف رنگدار کپڑا پہنے دیکھا تھا۔ یوں تمہارا معصوم سا عمل لوگوں کے لئے سند بن جائے گا۔ لہٰذا ہم لوگوں کو بڑی احتیاط برتنی چاہیئے۔

رزق کی ذمہ داری

پہلے (اور متعدد بار) بتایا جا چکا ہے کہ اسلامی مملکت کا بنیادی فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ افرادِ معاشرہ کو سامانِ نشو و نما بہم پہنچائے۔ اس باب میں حضرت عمرؓ کا یہ ارشادِ گرامی بھی زبان زد خلائق ہے کہ

اگر فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مرگیا تو عمرؓ سے اس کی بھی باز پرس ہوگی۔

عوام کی ضروریات کا صحیح صحیح اندازہ لگانے کے لئے آپ کس حد تک آگے چلے جاتے تھے اس کے متعلق آپ اس واقعہ کو سامنے لایئے کہ جب آپ کے زمانے میں قحط پڑا تو آپ نے اپنے آپ پر یہ پابندی عائد کر لی کہ جب تک قحط رہے گا وہ سالن کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ صرف زیتون کے تیل کے ساتھ سوکھی روٹی کھائیں گے۔ اس سے آپ کی صحت بڑی طرح متاثر ہوئی اور آپ دن بدن لاغر ہوتے چلے گئے۔ اس پر آپ کے رفقاء کو تشویش لاحق ہوئی اور انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ اس تبدیلیٔ غذا کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے آپ اپنے معمول کی غذا کی طرف پلٹ آیئے۔ اس کے جواب میں آپ نے وہ فقرہ کہا کہ اگر دُنیا کے سربراہانِ مملکت اسے اپنی زندگی کا اصول بنالیں تو یہ جہنم آج ہی مبدل بفردوس ہوجائے۔ آپ نے فرمایا:۔

مجھے لوگوں کی تکلیف کا احساس کس طرح ہو سکتا ہے جب تک مجھ پر بھی وہی کچھ نہ گزرے جو ان پر گزرتی ہے۔

اس قسم کے سربراہانِ مملکت کی موجودگی میں رعایا کو سرِ فلک ایوانِ شاہی کی طرف سر اٹھا کر بصد حسرت و یاس یہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی کہ

تمہیں خاکساروں کی کیا خبر کبھی نیچے اترے ہو بام سے!

وہ سربراہِ مملکت خاکساروں کے حالات براہِ راست معلوم کرنے کے لئے راتوں کی تنہائیوں میں ــــ جب سارا عالم سوتا تھا ــــ شہر کا گشت لگاتے تھے۔ اسی گشت کے دوران انہوں نے ایک رات دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے پاس بیٹھے رو رہے ہیں۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ اس نے کہا کہ تین وقت سے بچوں کو کچھ کھانے کو نہیں ملا۔ میں نے خالی ہنڈیا میں پانی ڈال کر چولھے پر چڑھا رکھا ہے کہ بچوں کا دل بہلا رہے۔ آپ نے اس

حاکم کی ذمہ داری

عورت سے کہا کہ کیا تم نے امیر المومنین کو اس کی اطلاع دی ہے؟ اس کے جواب میں اس نے جو کچھ کہا اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ اس دور میں عام عورتیں بھی حکومت کی ذمہ داریوں کو کس حد تک جانتی تھیں۔ اس نے کہا کہ

جو شخص حاکم ہو کر رعایا کے حالات سے بے خبر ہے اس تک شکایات پہنچانے سے کیا حاصل۔

حضرت عمرؓ خاموشی سے پلٹ آئے۔ بیت المال سے آٹا، گھی، کھجوریں لیں اور اپنے معاون اسلم سے کہا کہ انہیں میری پیٹھ پر لاد دو۔ اسلم نے کہا کہ مجھے دیجئے۔ میں لئے جاتا ہوں۔ فرمایا کہ اسلم! اب اس معاملہ کا تعلق قیامت سے ہو گیا ہے اور قیامت میں تم میرا بوجھ نہیں اٹھاؤ گے۔ اس لئے یہ بوجھ مجھے خود ہی اٹھانے دو۔ یہ سامان لا کر اس عورت کو دیا۔ اس نے ہنڈیا چڑھائی تو آپ چولہا پھونکتے رہے۔ کھانا تیار ہوا۔ بچوں نے سیر ہو کر کھایا اور اچھلنے کودنے لگے۔ حضرت عمرؓ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے۔ چلنے لگے تو اس عورت نے کہا کہ خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ امیر المومنین ہونے کے قابل تم تھے، نہ کہ عمرؓ۔

فی الحقیقت امیر المومنین ہونے کے قابل وہی تھے۔

افرادِ معاشرہ کو رزق پہنچانے کی ذمہ داری اس طرح ادا نہیں ہوتی تھی کہ سربراہِ مملکت تو مرغ اور بریانی کھائے اور رعایا

جو کی روٹی

کو دال روٹی ملے۔ وہاں کیفیت یہ تھی کہ کوفہ کا عامل عتبہ بن فرقدؓ ملاقات کے لئے آیا تو امیر المومنین کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے میں جو کی روٹی تھی۔ اس مہمان نے کہا کہ امیر المومنین آپ جو کی روٹی کیوں کھاتے ہیں۔ گیہوں کی روٹی کیوں نہیں کھاتے؟ اس پر آپ نے کہا:

ابنِ فرقد! کیا سرزمینِ عرب میں اس وقت مجھ سے زیادہ صاحبِ مقدرت کوئی ہے؟

اس نے جواب میں کہا کہ کوئی نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس مقدرت کے باوجود میں جو گیہوں کے بجائے جو کی روٹی کھاتا ہوں تو اس کی وجہ عدمِ استطاعت نہیں۔ کچھ اور ہے۔ تم بتاؤ کہ کیا اس وقت ہماری مملکت میں ہر شخص کو گیہوں کی روٹی مل رہی ہے۔ اس نے کہا کہ میں ایسا تو نہیں کہہ سکتا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ

عمرؓ کو اس وقت اس کا یقین ہے کہ مملکت میں ہر شخص کو کم از کم جو کی روٹی میسر آ رہی ہے۔ وہ گیہوں کی روٹی اس دن کھائے گا جس دن اسے اس کا اطمینان ہو جائے کہ ہر شخص کو گیہوں کی روٹی مل رہی ہے۔

آج کل ملک میں اسلام کے معاشی قوانین اور اسلامی سزاؤں کے متعلق بڑا چرچا ہو رہا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں اس اہم

اسلامی سزائیں

حقیقت کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ یہ قوانین اور یہ سزائیں اس مملکت کے لئے ہیں جس میں اسلامی نظام رائج ہو۔ اسلامی نظام کی ایک شق یہ بھی ہے کہ اس میں ہر فرد معاشرہ کو رزق بہم پہنچانے کی ذمہ داری مملکت کے سر ہوتی ہے۔ اگر مملکت اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برا نہ ہو تو اس میں نہ معاشی قوانین نافذ ہو سکتے ہیں اور نہ اس قسم کی سزائیں مل سکتی ہیں۔ اس سلسلہ میں حاطب بن ابی بلتعہؓ کے ملازموں کا واقعہ اہم نظیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے ایک شخص کا اونٹ چرا کر ذبح کر کے کھالیا۔ ان کے خلاف چوری کا جرم ثابت ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے حد (سزا) نافذ کرنے سے پہلے ان سے پوچھا کہ انہوں نے یہ چوری کیوں کی؟ انہوں نے کہا کہ حاطب ہم سے کام تو سخت لیتا ہے لیکن کھانے کو اس قدر کم دیتا ہے کہ اس سے ہمارا پیٹ نہیں بھرتا۔ ہم نے انتہائی مجبوری کے عالم میں ایسا کیا ہے۔

یہ سن کر آپ نے ان ملازموں کو تو معاف کر دیا اور حاطب کو بلا کر کہا کہ چاہیئے تو یہ کہ چوری کے جرم کی سزا تمہیں دی جائے اس لئے کہ اس جرم کے مرتکب تمہارے ملازم نہیں تم ہو جس نے انہیں اس حالت تک پہنچا دیا کہ وہ چوری کرنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن میں تم سے نرمی برتتا ہوں۔ اس دفعہ تو اتنی سزا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ تم اونٹ کی قیمت اس کے مالک کو ادا کر دو۔ اگر تمہارے ملازموں کی پھر یہی حالت ہوگئی تو تمہارے لئے کسی سخت سزا کا سوچا جائے گا۔

اس ایک واقعہ سے جرم و سزا کے متعلق جو عظیم اصول مستنبط ہوتا ہے، اس سے کس قدر پیچیدگیاں حل ہو جاتی ہیں حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ بھی تھا کہ حکومت کے واجبات کی ادائیگی اس وقت واجب آتی ہے جب متعلق شخص حکومت

حکومت کی واجبات

کے رفاہ عامہ سے مستفید ہو چکا ہو۔ اس ضمن میں ایک آزاد شدہ غلام (سعید) کا بیان ہے کہ میں اپنی آزادی حاصل ہونے کے بعد حکومت کے واجبات کی رقم جمع کرانے کے لئے حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے حکومت کے بیت المال سے کچھ فائدہ بھی اٹھایا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ ابھی تک تو میں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ

پھر اپنی رقم واپس لے جاؤ جب تمہیں ہماری طرف سے کچھ مل جائے تو پھر اسے لے کر آنا۔

شکریہ تک بھی نہیں

اور رفاہ عامہ کے ضمن میں جو کچھ رعایا پر خرچ کیا جاتا تھا حکومت اس کے بدلے میں شکریہ تک کی بھی متمنی نہیں ہوتی تھی۔ جس قحط کا پہلے ذکر آچکا ہے اس کے رفع ہو جانے کے بعد جب قبائل واپس جانے لگے تو بنی محارب کے ایک شخص نے آپ سے کہا کہ یہ قبائل آپ کے بیحد ممنونِ احسان اور شکرگزار ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

بھئی! تم نے ایسا کیوں کہا۔ جو کچھ میں نے آپ لوگوں پر خرچ کیا ہے یہ مال میرا یا میرے باپ خطاب کا نہیں تھا۔ یہ اللہ کا مال تھا جسے میں نے اللہ کے بندوں پر خرچ کر دیا۔ اس لئے میری شکرگزاری کیسی؟

اہلِ خانہ کو ہدایات

حضرت عمرؓ کو اس بات کا بھی احساس تھا کہ عمالِ حکومت کتنے ہی دیانتدار کیوں نہ ہو جب

تک ان کے اہلِ خاندان کے ساتھ تعاون نہ کریں، ان کی دیانتداری کا قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کا دستور تھا کہ

جب لوگوں کو کسی بات سے منع کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے ان سے کہتے کہ میں نے لوگوں کو فلاں فلاں بات سے منع کیا ہے۔ یاد رکھو! لوگ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جس طرح پرندہ گوشت کی طرف دیکھتا ہے۔ اگر تم بچو گے تو وہ بھی بچیں گے۔ اور اگر تم پھنسو گے تو وہ بھی پھنسیں گے۔ اگر تم میں سے کسی نے ان باتوں کا ارتکاب کیا تو خدا کی قسم! میں اپنے ساتھ تمہارے تعلق کی وجہ سے تمہیں دگنی سزا دوں گا۔ اب تمہیں اختیار ہے۔ جو چاہے حدود سے تجاوز کرے۔ جو چاہے ان کے اندر رہے۔

بیت المال کا روپیہ

ایک دفعہ آپؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ اور عبیداللہؓ جہاد سے واپس مدینہ آ رہے تھے۔ راستے میں بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے انہیں کچھ روپیہ دیا کہ اسے جا کر بیت المال میں جمع کرا دیا جائے۔ انہوں نے گورنر سے کہا کہ انہیں اس کی اجازت ہے کہ وہ راستے میں اس روپیہ سے کچھ کاروبار کر لیں۔ اصل روپیہ بیت المال میں داخل کر دیں اور منافع خود رکھ لیں۔ گورنر نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے . . . بیٹوں سے پوچھا کہ کیا گورنر نے اس کی اجازت تمہیں ہی دی تھی یا اور لوگوں کو بھی۔ انہوں نے کہا کہ اس نے یہ اجازت ہمیں ہی دی تھی۔ آپ نے کہا کہ اس نے تمہیں یہ اجازت اس لئے دی تھی کہ تم امیرالمومنین کے بیٹے ہو۔ تمہیں اس کا منافع بھی بیت المال میں داخل کرنا ہو گا۔

کوفہ کی گورنری

ایک دفعہ آپ کو کوفہ کی گورنری کیلئے کسی موزوں شخص کا انتخاب کرنا تھا اور اس میں آپ کو کچھ دشواری پیش آ رہی تھی۔ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ میں آپ کو ایسا شخص بتاتا ہوں جو اس منصب کے لئے نہایت موزوں ہے۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کا بیٹا عبداللہ ابن عمرؓ۔ یہ سن کر آپ نے اُسے کہا کہ میں اس سے زیادہ کیا کہوں کہ خدا تمہیں غارت کرے۔ اس باب میں آپ کی نگاہ کس حد تک دُور چلی جاتی تھی اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ آپ کا معمول تھا کہ کوئی پھل یا کھانے پینے کی کوئی اور اچھی چیزیں آتیں تو انہیں حصہ رسدی امہات المومنین کو تحفتاً بھیجتے۔

حضرت حفصہؓ

حضرت حفصہؓ ام المومنین بھی تھیں لیکن اس کے ساتھ حضرت عمرؓ کی بیٹی بھی۔ آپؓ امہات المومنین کے حصے لگاتے وقت حضرت حفصہؓ کا حصہ سب سے آخر میں لگاتے کہ اگر مقدار میں کمی رہ جائے تو وہ اُن کے حصے میں ہو۔

دوست

رشتے دار تو ایک طرف۔ جب ایک شخص سے حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں تمہیں عزیز رکھتا ہوں تو اس نے کہا کہ ایسا نظر آتا ہے کہ مجھے حکومت کی طرف سے جو مراعات اس وقت حاصل ہیں آپ ان میں کچھ کمی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ میرے حال پر کرم کیجئے۔ مجھے اپنے اسی مقام پر رہنے دیجئے اپنا عزیز نہ بنایئے

عرضِ گزاران من: میں کہاں تک ان داستانوں کو پیش کرتا جاؤں —— سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے۔ پھر وقت کا تقاضا بھی بار بار میرا دامن کھینچ رہا ہے لیکن اس حکایت روح پرور کو ختم کرنے سے پہلے میں اس کے دو ایک نرم و نازک گوشوں کو سامنے لانا ضروری سمجھتا ہوں۔ عام طور پر حضرت عمرؓ کا نقشہ کچھ اس قسم کا

شگفتہ مزاجی

سامنے لایا جاتا ہے کہ آپ بڑے درشت مزاج، عادو باس، عبوساً قمطریراً قسم کے انسان

تھے جن کے ہاتھ میں ہر وقت دُرّہ (معاذ اللہ) منہ میں جھاگ، آنکھوں میں شعلے اور ماتھے پر شکن رہتے تھے۔ زندگی کے دل گداز اور نرم و نازک گوشوں سے کبھی ان کا گذر نہیں ہوتا تھا۔ لیکن ان کی یہ تصویر ناقص بھی ہے اور نامکمل بھی۔ ان کی صحیح تصویر اس مردِ مومن کی سی ہے جس کے متعلق اقبالؒ نے کہا ہے کہ

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے | تنے محکم تر از سنگیں حصارے
درونِ او دلِ دردآشنائے | چو جوئے در کنارِ کہسارے

آپ نے ایک دفعہ ایک شخص کو گورنری کے لئے منتخب کیا۔ اس کی تعیناتی کا پروانہ لکھوا رہے تھے کہ ایک بچہ آیا اور آپ کی گود میں بیٹھ گیا۔ آپ نے اسے پیار کیا۔ اس منتخب شدہ شخص نے کہا کہ امیرالمومنین! میرے دس بچے ہیں

رقیق القلبی

مگر کوئی بھی میرے پاس پھٹک تک نہیں سکتا۔ آپ نے کہا کہ اس میں میرا کیا قصور! اگر خدا نے تیرے دل سے رحم نکال لیا ہے تو میں کیا کروں؟ اس سے یہ کہا اور کاتب سے کہا کہ دستاویز پھاڑ دو۔ جو شخص اپنی اولاد کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش نہیں آسکتا وہ رعایا پر کیسے رحم کرے گا؟

انسان کو گھر میں کیسے رہنا چاہیئے اس کے متعلق آپ کا ایک اصول سن لیجئے اور اگر اللہ توفیق دے تو اس پر عمل پیرا ہو کر اپنے گھر کو جنّت بنا لیجئے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ

انسان کو چاہیئے کہ اپنے اہل و عیال میں بچے کی طرح رہے لیکن جب ان کی کوئی ضرورت سامنے آئے تو مرد بن جائے۔

ذوقِ جمالیات

آپ کا شعر کا ذوق نہایت بلند تھا اور موسیقی کا مذاق شائستہ اور پاکیزہ زندگی کے جمالیاتی پہلو کے سلسلہ میں آپ کی لطیف حسیات کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ایک دفعہ آپ نے ایک زاہدِ مرتاض کو دیکھا جس نے دُنیا کی ہر نعمت کو اپنے اوپر حرام قرار دے رکھا تھا۔ اسے سختی سے ڈانٹا اور کہا۔

خدا تجھے غارت کرے۔ ہمارے دین کا گلا کیوں گھونٹتا ہے؟

عزیزانِ من! ان الفاظ کو دہرائیے کہ ہمارے دین کا گلا کیوں گھونٹتا ہے اور پھر غور کیجئے کہ اسلام کے کتنے نرم و نازک اور تابدار پہلو ان میں مضمر دکھائی دیتے ہیں؟ ایک شخص کو آپ نے دیکھا کہ اس نے بے ہنگم طریق سے اپنی ڈاڑھی بڑھا رکھی ہے۔ آپ نے اسے اپنی طرف کھینچا اور کہا اس بدہئیتی کے کیا معنے؟ پھر آپ نے قینچی منگائی۔ اس کی وضع قطع درست کی اور فرمایا:-

بعض لوگ اپنے آپ کو اس طرح چھوڑ دیتے ہیں گویا وہ درندوں میں سے ایک درندہ ہیں۔

آپ یہ سُن کر حیران ہوں گے کہ ان کے مزاج میں شگفتگی بھی تھی جو کبھی کبھی ہلکے سے کیف آور مزاح کے رنگ میں چھلک پڑتی تھی۔ ایک دفعہ آپ نے ایک بدو کو دیکھا کہ اس نے جلدی جلدی نماز پڑھی اور اس کے بعد دعا مانگی کہ یا اللہ! میری شادی کسی بڑی خوبصورت حور سے کر دے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے دیکھو! مہر کتنا کم باندھتا ہے اور بیوی کیسی بلند پایہ مانگتا ہے؟

جس شخص کی طبیعت میں ایسی ملیح ظرافت ہو وہ خشک مزاج کیسے ہو سکتا ہے۔ مومن خشک مزاج ہوتا ہی نہیں۔ وہ تو ــــ عجم کے حسنِ طبیعت عرب کے سوزِ دروں ــــ کا دلآویز امتزاج ہوتا ہے۔ لیکن وہ اپنے ذوقِ لطیف

کو فرائض زندگی پر غالب نہیں آنے دیتا۔

احترامِ آدمیت

اور مقطع کا بند وہ جوہرِ خالص جو اسلامی مملکت ہی نہیں خود اسلام کا نقطۂ ماسکہ اور معراجِ کبریٰ ہے۔ یعنی احترامِ آدمیت۔ اقبالؒ کے الفاظ میں :-

برتر از گردوں مقامِ آدم است   اصلِ تہذیب احترامِ آدم است

اور اس احترامِ آدمیت کی جھلک اُس جنت بداماں دور میں قدم قدم پہ ملتی ہے۔ ایک دفعہ حضرۃ عمرؓ بن عاص نے کسی شخص کو منافق کہہ دیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس سے زیادہ اس کی ذلت اور کیا ہو سکتی ہے۔ جاؤ اور اس شخص سے معافی مانگ کر اُسے راضی کر لو۔ یاد رکھو! بارگاہِ خداوندی میں تذلیلِ انسانیت سے زیادہ سنگین جرم کوئی نہیں۔

اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ ایک دفعہ حمص کے حاکم حضرت عمیرؓ بن سعد (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے) کے منہ سے کسی ذمی (غیر مسلم) کے متعلق یہ الفاظ نکل گئے۔ اخذک اللہ۔ خدا تجھے رسوا کرے۔ اس پہ انہیں بعد میں

اخذک اللہ

اس قدر ندامت اور تأسف ہوا کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر استعفا دے دیا اور کہا کہ میں اس منصب کا اہل نہیں۔ جو شخص تکریمِ آدمیت کی عظمت و اہمیت کو ٹھیس پہنچاتا ہے وہ اسلامی نظام میں کسی بھی منصب کا اہل نہیں ہو سکتا۔

اس قسم کی بلندیٔ اخلاق، پاکیزگیٔ سیرت اور ذمہ داری کے احساس کا جذبۂ محرکہ خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کے احساس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا جسے مؤاخذۂ آخرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اپنے آخری وقت میں اس احساس

مؤاخذۂ آخرت کا احساس

سے ان کے کرب و اضطراب کا یہ عالم تھا کہ روایت ہے کہ انہوں نے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ اے کاش! میں عمر ہونے کے بجائے یہ تنکا ہوتا تو ذمہ داریوں کے بوجھ سے چھوٹ جاتا۔ پھر اُن رفقاء کو مخاطب کر کے جو ان کے محاسن کو گنا گنا کر ان کی تعریف کرتے تھے فرمایا: کہ تم لوگ میری تعریف کرتے ہو اور جنت کی بشارت دیتے ہو اور مجھے یہ خوف ستا رہا ہے کہ

اگر عمرؓ نے کسی پر ظلم کیا ہوگا اور اس کی فریاد آسمان پہ پہنچی ہو گی تو اس کی ساری کی ساری نیکیاں صاحبِ عرش کے حضور بے وزن ہو جائیں گی۔

آخری وقت فرمایا! "اُف اگر اللہ نے میری لغزشوں سے درگذر نہ فرمایا تو میرا انجام کیا ہو گا"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی اپنی وہ جان کہ جسے ایمان لانے کے ساتھ ہی اللہ کے ہاتھوں بیچ دیا تھا اس کے حقیقی مالک کے سپرد کر دی۔ اور آپ کی وصیت کے مطابق ایک مزدور (حضرت صہیبؓ رومی) نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپ

تدفین

کی دلی خواہش تھی کہ آپ حضور نبیٔ اکرمؐ اور حضرت صدیقِ اکبرؓ کے ہم پہلو، حجرۂ حضرت عائشہؓ میں دفن ہوں۔ آپ سربراہِ مملکت تھے اس لئے آپ کی اس خواہش کے راستے میں کون حائل ہو سکتا تھا؟ لیکن وہاں تو کیفیت ہی کچھ اور تھی۔ آپؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ سے کہا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ

عمرؓ آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے —— دیکھنا! امیر المؤمنین عمرؓ نہ کہنا۔ صرف عمرؓ کہنا۔ اور عرض کرنا کہ وہ مستدعی ہے کہ آپ انہیں پہلوئے حضور رسالتمآبؐ میں دفن ہونے کی اجازت مرحمت فرماویں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ وہ جگہ میں نے اپنے لئے مختص کر رکھی تھی لیکن میں عمرؓ کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں۔ بیٹے نے آپ کو آ کر حضرت عائشہؓ کا پیغام سنایا تو آپ خوش ہوئے لیکن اس کے ساتھ ہی کہا کہ جب میں وفات پا جاؤں تو ایسا کرنا کہ میرا جنازہ لے جانا اور حضرت عائشہؓ سے ایک بار پھر اجازت طلب کرنا۔ ممکن ہے انہوں نے اس وقت میری خاطر ایسا کہہ دیا ہو۔ اگر وہ میری وفات کے بعد بھی اس کی اجازت دے دیں تو مجھے وہاں دفن کرنا، ورنہ مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کر دینا۔

یہ تھے وہ حضرات جن کے ہاتھوں اسلامی نظام قائم اور مستحکم ہوا تھا۔

مصر کے نامور مفکر ڈاکٹر طہٰ حسینؒ نے بارگاہ فاروقی میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

خراجِ عقیدت

میں نہیں جانتا کہ تاریخ اب تک کسی ایسے شخص کی مثال پیش کر سکے جو حضرت عمرؓ کا سا نڈر، حساس، محتاط اور معصیت سے خائف ضمیر رکھتا ہو۔ جو اپنے حق میں اُن باتوں سے بھی ڈرتا ہو جن میں ڈرنے کی کوئی بات نہ ہو۔ اُن امور سے بھی ڈرا کرتا ہو جن سے ایسا نہیں کیا جاتا اور اپنی ذات پر ایسی سختیاں کرتا ہو جو صرف ایک اولوالعزم انسان ہی کر سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ دنیا کی متمدن اور ترقی یافتہ قومیں آج وہاں تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہیں جس مقام پر حضرت فاروقِ اعظمؓ اُس زمانے میں پہنچے تھے۔ لیکن یہ متمدن قومیں آج بھی اس مقام تک سخت جدوجہد اور مشکلات کا مقابلہ کئے بغیر نہیں پہنچ سکیں گی۔ (الفتنۃ الکبریٰ)

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں بھی حضرت عمرؓ کی خدمت میں بڑی تفصیل سے ہدیہ تبریک و تحسین پیش کیا گیا ہے۔ میں اس مقام پر اس کا صرف آخری فقرہ پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ

عمرؓ کا زمانۂ خلافت بظاہر شخصی حکومت کا دور نظر آتا ہے لیکن اس کے باوجود اس میں جنون ملوکیت کا شائبہ تک دکھائی نہیں دیتا۔ (۱۹۳۴ء ایڈیشن صفحہ ۹۸۳)

آپ کے دل میں شاید یہ خیال گزرے کہ یہ تقریب تو عید میلاد النبیؐ کی تھی لیکن میں نے پیش کیا ہے سیرت عمرؓ اور دورِ فاروقی کو۔ لیکن اگر ذرا بنظر تعمق دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ یہ

عمرؓ ہی نہیں۔ ایک اُمت

درحقیقت انقلاب محمدیؐ ہی کی ایک تابندہ تصویر ہے۔ جیسا کہ میں نے شروع میں کہا ہے حضورؐ کا فریضۂ رسالت ایسے انسان پیدا کرنا تھا جو آپؐ کی معیت میں اسلامی نظام کی بنیاد رکھیں اور آپ کے بعد اس کے فروغ اور استحکام کا باعث بنیں۔ میرے نزدیک حضورؐ کا سب سے بڑا کارنامہ اور معجزہ انسانیت سازی ہے۔ آپ نے دنیائے سنگ و خشت ہی میں انقلاب برپا نہیں کیا بلکہ دلوں کی بستیوں کو بھی بدل کر رکھ دیا۔ یہ حضورؐ کی انسانیت سازی کا کرشمہ تھا کہ عرب جاہلیت کے "ابن الخطابوں" کو اس مقام پر پہنچا دیا جہاں

ان کی تعظیم میں جہانِ تہذیب و تمدن کے دیدہ وروں کے سر جھکتے ہیں۔ میں نے اسی جہت سے حضرت عمرؓ کو "شاہکارِ رسالت" کہہ کر پکارا ہے ۔۔۔۔ یعنی حضور نبی اکرمؐ شاہکارِ خداوندی، اور فاروقِ اعظمؓ شاہکارِ رسالتؐ۔

لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ حضورؐ کی تعلیم و تربیت نے صرف ایک عمرؓ پیدا کیا۔ حضورؐ نے ایک جماعت پیدا کی، ایک امت پیدا کی جس کے افراد کی سیرت اسی قالب میں ڈھلی ہوئی تھی۔ قرآن اس جماعت کو گروہ مومنین سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ محض بغرض تعارف ہے کہ ہم انہیں صحابہؓ کہہ کر پکارتے ہیں ورنہ وہ سب کے سب مومن تھے۔ جس طرح نبی اکرمؐ نے تنہا اس نظام کی بنیاد نہیں رکھی تھی بلکہ جماعتِ مومنین آپ کے ساتھ تھی، اسی طرح حضرت عمرؓ نے بھی یہ کارنامے تنہا سرانجام نہیں دیئے تھے۔ جماعت مومنین کے تعاون اور رفاقت سے سرانجام دیئے تھے۔ اور ان کی سیرت بھی علیٰ قدرِ مراتب انہی صفات کی آئینہ دار تھی۔ چنانچہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ فوج کے سپاہیوں تک بھی دیانت و امانت کے اسی مقام پر فائز تھے جس پر حضرت عمر فاروقؓ متمکن نظر آتے ہیں۔ اس سب کا (CREDIT) بالواسطہ حضور رسالتمآبؐ ہی کو پہنچتا ہے۔ یہ سب اسی آفتاب عالمتابؐ کی کرنیں تھیں جو وجہ تابانیٔ عالم ہو رہی تھیں۔

جیسا کہ میں نے شروع میں کہا ہے، ہمارے ہاں تمام تحقیقاتی کوششیں یہ معلوم کرنے کے لئے صرف ہو رہی ہیں کہ صدرِ اوّل میں اسلامی نظام کی ہئیتِ ترکیبی کیسی تھی، اور اسی کے لئے بحثیں یہ چھڑتی ہیں کہ مروجہ طریق انتخاب

لاحاصل بحثیں

اسلامی ہے یا نہیں۔ اور اسلامی مملکت میں صدارتی نظام ہوگا یا پارلیمانی وغیرہ وغیرہ۔ اور صدرِ اوّل کے نظام سے متعلق تحقیقات یہی کچھ معلوم کرنے کے لئے کی جاتی ہیں۔ لیکن اوّل تو اس باب میں متعین طور پر کچھ معلوم ہی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ ہماری تاریخ اس قدر ناقابلِ اعتماد اور متضاد روایات کا مجموعہ ہے کہ اس کی رو سے حتمی اور یقینی طور پر کسی نتیجے پر بھی پہنچا نہیں جا سکتا۔ میرے نزدیک تو یہ تاریخ مسخ شدہ اور محرف ہے لیکن جو حضرات اس تاریخ کی رو سے اسلامی نظام کا نقشہ مرتب کرنا چاہتے ہیں بس ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ آپ اس تاریخ کا مطالعہ کیجئے اور، زیادہ نہیں تو، خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے انتخاب کی جو تصویر اس میں دی گئی ہے اسے دیکھئے اور سوچئے کہ کیا یہ تصویر اسلامی انتخاب کی ہو سکتی ہے؟ اس میں (معاذ اللہ) ایک امیدوار کے ہاتھ میں دوسرے کی ڈاڑھی نظر آتی ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں شمشیر! اس سے آگے بڑھیئے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت اور اس کے بعد کے وہ واقعات سامنے لایئے جو یہ تاریخ پیش کرتی ہے۔ جنگِ جمل میں آدھے صحابہؓ ایک طرف دکھائی دیتے ہیں اور آدھے دوسری طرف، اور باہمی خونریزی کا یہ عالم ہے کہ دس ہزار صحابہؓ ایک دوسرے کی تلوار کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد جنگِ صفین کا نقشہ سامنے آتا ہے جس میں ستر ہزار صحابہؓ کام آجاتے ہیں! کیا آپ اسی قسم کا اسلامی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں؟ اس مسخ شدہ تاریخ نے تو ہمیں کہیں کا نہیں رہنے دیا!

یہ تو رہی تاریخ کی رو سے اس دور کے نظام کی ہئیت وغیرہ کے متعین کرنے کی صورت! اگر بغرضِ محال اس

ہمارے دور کے تقاضے

دور کے نظام کی شکل و صورت متعین بھی ہو جائے تو کیا اس شکل و صورت کا نظام ہمارے دور کے تقاضوں کو پورا بھی کر سکے گا! جیسا کہ بتایا جا چکا ہے اسلامی نظام نام ہے قرآنی اقدار و اصولِ حیات کو عملاً نافذ کرنے کا۔ اس عملی نفاذ کا طریق اس زمانے میں اور تھا،

اس زمانے میں ہمارے حالات کے تقاضوں کے مطابق اور ہوگا۔ مثلاً امورِ مملکت کے متعلق قرآن کریم نے یہ اصول دیا ہے کہ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ " امت انہیں باہمی مشاورت سے طے کرے گی" اس مشاورت کا طریق صدرِ اوّل میں کچھ اور تھا، ہمارے زمانے کے تقاضوں کے مطابق کچھ اور ہوگا۔ اسی کی وجہ خود حضورؐ نے یہ کہہ کر بیان فرما دی کہ

لوگ اپنے اسلاف کے مقابلے میں اپنے زمانے کے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔ (جاحظ ---- البیان والتبیین)

امام ابن قیمؒ نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے :-

اللہ کی شریعت کا مقصود بندوں میں عدل و انصاف کا قیام ہے جس طریق کے ذریعے عدل و انصاف قائم کیا جائے گا وہی دین ہوگا۔ اسے دین کے خلاف نہیں کہا جائے گا۔ (الطرق الحکمیہ)

حضرت عمرؓ کے فیصلے

اسی تغیرِ احوال و کوائف کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے کئی معاملات میں ایسے فیصلے کئے جو عہدِ رسالت مآبؐ اور دورِ صدیقیؓ کے فیصلوں سے مختلف تھے اور کئی امور کے لئے نئے قوانین مرتب اور نافذ فرمائے۔ انہیں" اولیاتِ عمرؓ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت اور عہدِ رسالت مآبؐ میں چند سالوں کا فرق تھا۔ اگر اُن چند سالوں میں زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کا تقاضا تھا کہ سابقہ احکام و قوانین کی جگہ جدید قوانین مرتب کئے جائیں، تو آج چودہ سو سال کے بعد یہ تقاضے کہیں کے کہیں جا پہنچے ہیں۔ ان کے لئے آج کی اسلامی مملکت کو قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے لامحالہ جدید قوانین مرتب کرتے ہوں گے۔

لہٰذا، سوال اسلامی نظام یا کسی سابقہ دور کے قوانین کا نہیں۔ اصل سوال ان انسانوں کا ہے جنہوں نے اس

سوال انسان سازی کا ہے

نظام کو قائم کرنا ہے۔ ان انسانوں کی خصوصیات جنہیں مؤمن کہا جاتا ہے بڑی تفصیل سے قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اگر ان خصوصیات کو معیار قرار دے کر صدرِ اوّل کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو اس میں وہ افراد سامنے آجائیں گے جو ان خصوصیات کے حامل تھے۔ سو بنیادی سوال ایسے انسان پیدا کرنا ہے جو ان خصوصیات کے حامل ہوں۔ ان ہی کے ہاتھوں یہ نظام قائم ہوگا جس طرح عہدِ رسالتمآبؐ اور دورِ صحابہؓ میں قائم ہوا تھا۔

اس کے جواب میں کہہ دیا جاتا ہے کہ صاحب نبی اکرمؐ تو خدا کے رسول تھے۔ ان جیسا کردار ہم میں کیسے پیدا ہو

اس کا امکان نہیں

سکتا ہے۔ اور صحابہؓ کا ذکر آئے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ بھائی وہ تو صحابہؓ تھے۔ ہم بندے بشر اُن جیسے کیسے بن سکتے ہیں؟ یہ کہہ کر وہ خود بھی مطمئن ہو جاتے ہیں اور اپنے مخاطب کو بھی خاموش کر دیتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں عام لوگ ہی نہیں کرتے۔ اچھے اچھے "عالمِ دین" بھی ان کے ہمنوا ہوتے ہیں۔ مثلاً؛ ایک دفعہ مولانا امین احسن اصلاحی نے اسی قسم کے سوال کے جواب میں کہا تھا :-

آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ ہم ابوبکرؓ صدیق اور عمرؓ کی حکومت کی طرح ایک حکومت قائم کر دیں۔ نہ بندوں کو اس بات کی طاقت حاصل ہے نہ خدا نے اس کی تکلیف دی ہے۔

(چراغِ راہ۔ بابت مئی ۱۹۵۲ء)

اگر کیفیت یہی ہے تو میں بصد ادب پوچھنا چاہوں گا کہ پھر اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کا یہ ڈھنڈورا کاہے کے لئے پیٹا جاتا ہے؟ پھر چھوڑ دیجئے اس سعی لاحاصل کو۔ اگر یہ ناممکن ہے تو پھر اپنے آپ کو فریب دینے سے کیا حاصل؟ لیکن میرے نزدیک صورت یہ نہیں۔ ذرا سوچئے کہ اللہ نے نبی اکرمؐ کی سیرت کو نوعِ انسان کے لئے اسوۂ حسنہ یعنی بہترین ماڈل قرار دیا ہے۔ اگر ہم میں اس قسم کی سیرت و کردار پیدا نہیں ہو سکتا تو پھر حضورؐ کی سیرت ہمارے لئے نمونہ کیسے بن سکتی ہے؟ یاد رکھئے! سلسلۂ نبوت تو حضورؐ کی ذات پر ختم ہو گیا۔ سیرتِ رسول اللہؐ کی آئینہ داری ختم نہیں ہوئی۔ وہ قیامت تک کے انسانوں کے لئے ماڈل ہے۔

جہاں تک صحابہ کرامؓ کا تعلق ہے، وہ (جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے) مومن تھے اور مومنین کا وجود اسی دور تک محدود نہیں تھا۔ اور پھر حضور نبی اکرمؐ نے یہ بھی تو فرمایا تھا کہ

تم پر میری اور میرے صاحبِ رشد و ہدایت خلفاء کی سنت کی پیروی لازم ہے۔

اس اعتبار سے آنے والے تمام زمانوں کے لئے سیرتِ رسول اللہؐ اور سیرتِ خلفاء راشدینؓ اسوۂ حسنہ قرار پاتی ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ اس سیرت و کردار کے حامل مومن قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ بنا بریں جو قوم اسلامی

کرنے کا کام

نظام قائم کرنے کا عزم لے کر اٹھے اس کے لئے (ارشادِ خداوندی اور سنتِ نبویؐ کے اتباع میں) کرنے کا پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ قرآنی تعلیم و تربیت سے مومن پیدا کرے جو اس نظام کو قائم کر کے چلا سکیں۔ جب یہ مومن پیدا ہو جائیں گے تو وہ قرآنی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق اس نظام کا طریق کار بھی متعین کر لیں گے اور اسلامی قوانین بھی مرتب کر لیں گے۔ اس کے سوا اسلامی نظام کے قیام کی کوئی صورت نہیں۔ لیکن اگر ہم ایسا نہیں کر سکتے تو پھر ہمیں اسلامی نظام کے قیام کے دعاوی ترک کر دینے چاہئیں۔ اس لئے کہ اس قسم کے ناممکن العمل دعاوی سے (یعنی ان دعاوی سے جنہیں ہم عمل میں نہ لا سکیں) اسلام دنیا میں بدنام ہو جائے گا۔ وہ ہماری وجہ سے پہلے ہی کم بدنام نہیں ہو چکا جو اس میں مزید اضافہ کی ضرورت ہو! یہی وہ جگر پاش حقیقت تھی جس سے متاثر ہو کر علامہ اقبالؒ نے چھاتی پہ پتھر رکھ کر کہا تھا کہ ؎

تا نداری از محمدؐ رنگ و بو
از درودِ خود میالا نامِ او
(پس چہ باید کرد۔ صفحہ ۹۴)

اگر تشکیلِ پاکستان کے بعد ہم اپنی نئی نسل کی قرآنی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دیتے تو اس وقت تک وہ قوم تیار ہو چکی ہوتی جو اسلامی نظام کے قیام کی اہل ہوتی، لیکن ایسا نہ ہو سکا، اور ہم بھٹکے ہوئے راہیوں کی طرح کشتِ تیرہ و تار میں مصروفِ صحرا نوردی ہیں۔

خدا ایں سخت جاں را یار بادا
کہ افتاد است از بامِ بلندے

والسلام

مطالبُ الفرقان

جلد سوم

مفکرِ قرآن جناب **پرویز** نے اپنی زندگی قرآنِ کریم کی فکر اور تعلیم کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے پہلے لغات القرآن شائع کی۔ پھر اس کی روشنی میں پورے کے پورے قرآن مجید کا مفہوم، مفہوم القرآن کے نام سے شائع کیا۔ پھر تین ضخیم جلدوں میں قرآنی انسائیکلو پیڈیا (تبویب القرآن) مرتب کیا۔ اور اس کے بعد اس تمام تحقیق کی روشنی میں قرآن مجید کی مسلسل تفسیر کا سلسلہ مطالب الفرقان کے نام سے شروع کیا۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی تھی اور مشتمل تھی سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی ابتدائی ۲۹ آیات پر۔ دوسری جلد جو سورۃ بقرہ کی آیات ۳۰ تا ۱۱۲ پر مشتمل تھی ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ اب اس سلسلہ کی تیسری جلد شائع ہوئی ہے جس میں سورۃ بقرہ اختتام پذیر ہو گئی ہے۔ کتاب میں قرآنی تعلیم و حقائق کے کون کون سے موضوعات آ گئے ہیں اس کا اندازہ تو اس کے مطالعہ ہی سے لگ سکے گا۔ ذیل میں اس کے ابواب کے عنوانات دیئے جاتے ہیں:

(۱) الدّین کے بنیادی اصول (۲) معمارِ حرم (۳) مرکزِ ملّت (کعبہ)۔ (۴) زندگی و حیات۔ (۵) بیّنات اور کتاب (۶) آل ورلڈ مسلم کانفرنس۔ (۷) درونِ خانہ (عائلی زندگی)۔ اور (۸) قرآنی نظام کے ابتدائی مراحل

آخر میں تینوں جلدوں کے مضامین کا ایک جامع انڈکس دیا گیا ہے۔ کہنے کو تو یہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کے مضامین کا انڈکس ہے لیکن اس میں اسلام کا پورا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔

کتاب ولائتی سفید کاغذ پر آفسٹ کی اعلیٰ درجہ چھپائی میں چھپی ہے۔ ضخامت (پہلی جلدوں کے مقابلہ میں زیادہ یعنی) ۴۳۸ صفحات۔ جلد مضبوط بھی اور دلکش بھی۔ قیمت ۵۰/- روپے فی جلد۔ خرچ ڈاک ۵/- روپے

حسبِ معمول پیشگی خریداروں کو کتاب بلا فرمائش بھیج دی جائے گی۔ لیکن اگر کوئی صاحب کتاب نہ منگانا چاہیں تو اس کے متعلق ۱۵ جنوری تک ادارہ کو مطلع فرما دیں۔

کتاب ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ دین و دانش۔ چوک اردو بازار لاہور (۲) ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ ۲۔ لاہور

عالمِ افلاک اور قرآنِ عظیم

(ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب)

طلوعِ اسلام کی اشاعت بابت فروری ۱۹۸۰ء میں ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب کا مختصر سا مقالہ بعنوان سائنٹفک تحقیق اور اجتہاد، شریکِ اشاعت کرتے وقت ہمارے ذہن میں یہ خیال ابھرا تھا کہ معلوم ہمارے حلقۂ قارئین میں کس حد تک احباب اس قسم کے سائنٹفک مقالات سے مستفید ہوں گے اور انہیں پسند کریں گے۔ مقالہ کی اشاعت کے بعد، جو ردِ عمل ہم تک پہنچا اس سے ہمیں بڑی خوشی ہوئی کہ اس حلقہ میں اہلِ نظر احباب کی کمی نہیں۔ اس سے ہمارا حوصلہ بڑھا اور ہم نے ڈاکٹر صاحب موصوف کی خدمت میں گزارش کیا کہ وہ اس سلسلہ کو جاری رکھیں۔ پیشِ نظر مقالہ ہماری اسی استدعا کے جواب میں ہے جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ قارئین ان مقالات کا اسی گہرے غور و تدبر سے مطالعہ کریں گے جس کے یہ مستحق ہیں۔ اس قسم کے سائنٹفک مقالات میں انگریزی اصطلاحات ناگزیر ہیں اور چونکہ ابھی تک ہمارے ہاں ان کے مترادفات اردو زبان میں مروج نہیں، اس لئے انہیں مجبوراً انگریزی زبان میں درج کر دیا جاتا ہے۔ اس کے لئے ہم قارئین کے حسنِ ذوق سے معذرت خواہ ہیں۔ طلوعِ اسلام

☆

میری کتاب (PHENOMENA OF NATURE AND THE QURAN) نومبر ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی تھی گو اس کتاب کی تعریف تو مختلف گوشوں کی طرف سے ہوتی رہی لیکن اس پر تنقید کسی طرف سے نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ کہ میں اس موضوع کی طرف سے کسی حد تک غافل ہوتا گیا۔ اب کئی برسوں کے بعد استاذ محترم جناب پرویز نے دو نئی کتابیں یکے بعد دیگرے بھجوا کر مجھے خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ یہ کتابیں بھی اسی موضوع۔ یعنی "مظاہرِ فطرت اور قرآن" پر ہیں۔ ایک کا نام ہے (THE BIBLE, THE QURAN, AND SCIENCE) اور مصنف ہیں (DR. MAURICE BUCAILLE)۔ دوسری کتاب ہے (GLIMPSES OF THE SCIENTIFIC ..... UNATTAINABLE MARVELS OF THE QURAN)۔ مصنف ہیں (DR M.A. ALGHAMRAVI) اور مترجم (DR. A.A.S ALKIRDANI) ان دونوں کتابوں نے مجھے کائنات کے متعلق آیاتِ قرآنی پر مزید غور و فکر کا موقع بہم پہنچایا۔ چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ جو نکات ان کتابوں میں میرے سامنے آئے ہیں ان پر تبصرہ کر کے محترم پرویز صاحب کی خدمت میں پیش کرتا جاؤں تاکہ طلوعِ اسلام میں اس کی اشاعت سے دیگر احباب بھی مستفید ہو سکیں اور جہاں مناسب سمجھیں مجھے مشورہ بھی دے سکیں۔ یعنی قارئین میں سے اگر کوئی صاحب یہ سمجھتے ہوں کہ

کسی مقام پر میری سوچ غلط ہے تو اس کی تصحیح فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ میں پہلے مرحوم ڈاکٹر محمد احمد الغمراوی کی کتاب (جس کا انگریزی ترجمہ ۱۹۷۷ء میں قاہرہ سے شائع ہوا) کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اس کتاب کے قریباً تمام نکات فلکیات (ASTRONOMY) سے متعلق ہیں۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ اس سے ہر غوّاص کو اس کی علمی وسعت کے مطابق کوئی نہ کوئی نیا گوہر مل جاتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے نکات پیش کرتا ہوں۔

پہلا نکتہ ہے ——— "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" کے لفظ عالمین سے متعلق۔ بیان کیا گیا ہے ——— عالمین کا لفظ عالم کی جمع ہے۔ عام طور پر اس سے مراد انسانوں کی دُنیا۔ جنوں کی دُنیا۔ فرشتوں کی دُنیا۔ حیوانات کی دُنیا۔ پودوں کی دُنیا وغیرہ لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں۔ عالمین سے مراد افلاکی کائناتیں (ASTRONOMICAL WORLDS) یعنی ہماری دنیا کی مثل دیگر کائناتی دُنیائیں ہے۔ اس کے ثبوت میں مصنف نے قرآن کریم کی آیات (۴۱:۹)، (۴۱:۱۰)، (۴۱:۱۱)، (۴۱:۱۲) پیش کی ہیں۔ یعنی

(۱) قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ۚ ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ (۴۱:۹)

ان سے پوچھو کہ کیا تم اس خدا سے انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو ایام میں پیدا کیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو جو رب العالمین ہے؟

(۲) وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ (۴۱:۱۰)

اور اس نے زمین پر اس کی سطح کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور مختلف اشیاء میں برکت (استحکام۔ کثرت۔ ثبات۔ اور نشوونما کی صلاحیت) پیدا کر دی اور اس میں غذائیت بہم پہنچانے کے پیمانے مقرر کر دیئے۔ چار ایام میں۔ ہر ضرورت مند کے لئے برابر برابر۔

(۳) ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (۴۱:۱۱)

پھر (خدا) آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھُواں تھا۔ اور ہم نے اس کو اور زمین کو کہا کہ تم ایک دوسرے کے قریب ہو جاؤ، رضا سے یا عدم رضا سے۔ انہوں نے کہا ہم بطیب خاطر ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔

(۴) فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (۴۱:۱۲)

پس دو ایام میں سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان نے جس قانون کے مطابق چلنا تھا، اس کی وحی اس کی طرف کر دی۔ اور ہم نے سماء الدنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا اور اس کے اندر سامانِ حفاظت رکھ دیا۔ یہ سب اس کے پیمانے ہیں جس کی قوت اور جس کا علم لامحدود ہیں۔

<u>استدلال</u>۔ مصنف نے مندرجہ بالا آیات سے عالمین کے معنی "افلاکی کائناتیں" ثابت کرنے کے لئے مندرجہ ذیل استدلال پیش کیا ہے۔

(۱) آیت (۹ : ۴۱) میں یومین (دو ایام) کا ذکر، زمین کی مادی تخلیق سے متعلق ہے۔

(۲) آیت (۱۱ : ۴۱) میں کہا گیا ہے کہ جب زمین کی تخلیق مکمل ہو گئی تو آسمان ابھی تک دخان (دھواں) تھا اور سات آسمانوں کی تخلیق ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ یہ اس کے بعد (یومین) دو ایام میں مکمل ہوئی۔ گویا سات آسمانوں کی تخلیق سے پہلے صرف ایک زمین تھی اور ایک ہی آسمان تھا جو دھوئیں کی شکل میں تھا۔

(۳) آیت (۱۱ : ۴۱) میں آسمان اور زمین سے جو کہا گیا ہے کہ " باہمی رضامندی سے ایک دوسرے کے قریب آجاؤ" تو کیا اس سے وہی زمین مراد ہے جس پر ہم رہتے ہیں؟ اس کا جواب نفی میں ہے کیونکہ ہماری زمین اس سے پہلے معرضِ وجود میں آچکی تھی۔ اس پر پہاڑ بھی بن چکے تھے اور زندگی کی نمود بھی ہو چکی تھی۔ آیت (۱۱ : ۴۱) میں ثُمَّ کا لفظ (SEQUENCE) ترتیب کے لئے ہے۔ گویا ہماری زمین (مع زندگی کی نمود) کی تخلیق کے بعد ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا کہا گیا۔ چنانچہ وہ زمین جسے یہ حکم ملا ہماری زمین سے مختلف تھی۔ آیت (۹ : ۴۱) میں الارض کا لفظ ہماری زمین کی طرف اشارہ کرتا ہے اور آیت (۱۱ : ۴۱) میں الارض کا لفظ ہماری زمین سے الگ جملہ کائناتی زمینوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۴) کائنات میں جتنی زمینیں ہیں اتنے ہی آسمان ہیں۔ " اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ " میں ان سات آسمانوں اور زمینوں کا ذکر ہے جو ہماری زمین کی تخلیق کے بعد معرضِ وجود میں آئے۔ چنانچہ کائنات میں سات آسمان اور سات زمینیں ہیں؛ اور ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا کا ذکر باقی چھ زمینوں کے متعلق ہے۔

(۵) اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۔ ۔ ۔ ۔ (۳۰ : ۲۱) کیا کافروں کو معلوم نہیں کہ سمٰوات اور ارض آپس میں جڑے ہوئے تھے اور پھر ہم نے ان کو الگ الگ کر دیا۔

مصنف نے کہا ہے کہ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب سمٰوات اور ارض کا وجود نہیں تھا اور ساری کائنات دخان کی شکل میں تھی۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یوم اوّل وہ تھا جب زمین سورج سے الگ ہوئی۔ یوم دوئم وہ تھا جب زمین ٹھنڈی ہو کر سخت ہو گئی۔ یوم سوئم وہ تھا جب زمین پر پہاڑ بن گئے (یوم چہارم کا کوئی ذکر نہیں)۔

(۶) آیت (۹ : ۴۱) کے (یومین) دو ایام۔ آیت (۱۰ : ۴۱) کے (اربعۃ ایام) چار ایام میں شامل ہیں۔

☆

تبصرہ مندرجہ بالا استدلال کو پڑھ کر میرے ذہن میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ مصنف آیاتِ مذکورہ یعنی (۴۱/۹-۱۲) کی تہہ تک نہیں پہنچ سکا اور اس نے ان سے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ صحیح نہیں۔ جہاں تک متعدد افلاکی زمینوں کا تعلق ہے ان کا وجود از روئے سائنس ممکنات میں سے ہے اور اس کی تائید میں آیاتِ قرآنی بھی موجود ہیں۔ لیکن جن آیات سے مصنف نے ان کا وجود ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ سب سے پہلے مصنف نے عالمین اور زمینوں کو ہم معنی قرار دیا ہے۔ عالم کا مادہ ہے (ع ل م)۔ عالم وہ شے ہے جس کے ذریعے کسی چیز کا علم ہو سکے۔ چونکہ خدا کا علم کائنات کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اسی لئے کائنات عالم کہلائی جاتی ہے۔ اور کائنات کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کو بھی عالم کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے عالم کا لفظ نسل یا قوم کے لئے بھی استعمال کیا ہے چنانچہ بنی اسرائیل کے متعلق کہا گیا: اَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (۲:۴۷) ہم نے تمہیں اقوامِ عالم پر فضیلت دی۔ بنا بریں میں نہیں سمجھ سکا کہ آیت - اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ سے مراد افلاکی دنیائیں کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟

اب آیئے ان آیات کی طرف جن کی رُو سے عالمین کے معنی "افلاکی دنیائیں" لئے گئے ہیں یعنی (۴۱:۹-۱۲)

یہ درست ہے کہ آیت (۴۱:۹) میں یومین سے مراد وہ دو "ایام" (مراحل) ہیں جن میں زمین کی مادی تخلیق ہوئی۔ اور آیت (۴۱:۱۰) زمین پر زندگی کی نمود سے متعلق ہے۔ لیکن یہ کہنا بالبداہت غلط ہے کہ پہلی آیت کے "یومین" دوسری آیت کے "اربعۃ ایام" میں شامل ہیں۔ چونکہ آیت (۴۱:۱۲) میں بھی یومین کا ذکر ہے اس لئے مصنف نے ان دو ایام کو (۴۱:۱۰) کے اربعۃ ایام میں شامل کر کے (ستۃ ایام) چھ ایام بنا دیا۔ اب اگر (۴۱:۹) کے یومین کو بھی اس میں شامل کیا جائے تو اس سے کائنات کی تخلیق کے آٹھ ایام بنتے ہیں۔ اس مشکل سے بچنے کے لئے مصنف نے (۴۱:۹) کے یومین کو (۴۱:۱۰) کے اربعۃ ایام میں شامل کر کے ان کا حصہ بنا دیا۔

ڈاکٹر (MAURICE BUCAILLE) نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے یہ کہ اعتراض اٹھایا بھی جا چکا ہے کہ قرآن کی رو سے کائنات کی تخلیق کے آٹھ ایام بنتے ہیں اور اس کے باوجود قرآن ستۃ ایام (چھ ایام) کا ذکر کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ (۴۱:۹) کے یومین اور (۴۱:۱۲) کے یومین ایک ہی ہیں۔ مصنف کے غلط استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ اس نے (۴۱:۱۱) میں لفظ (ثُمَّ) کو (SEQUENCE) ترتیب کے معنوں میں لے لیا اور اسی بنا پر کہہ دیا کہ پہلے ہماری زمین بنی اس کی مادی تخلیق اور زندگی کی نمود کے بعد تک ایک ہی آسمان تھا جو دخان کی شکل میں تھا۔ پھر اس کے بعد سات آسمانوں کی تخلیق ہوئی اور ہماری زمین کے علاوہ چھ اور زمینیں بنیں۔ آیت (۲۱:۳۰) میں کہا گیا ہے کہ پہلے سمٰوات و ارض آپس میں جڑے ہوئے تھے۔ پھر ان کو الگ الگ کر دیا گیا۔ مصنف نے خود اس کا ذکر کیا ہے کہ یہ اس وقت کی طرف اشارہ ہے جب پوری کائنات دخان کی شکل میں تھی اور پھر اس کے الگ الگ ٹکڑے ہو گئے۔ سائنس کی رو سے یہ وہ ٹکڑے تھے جن سے بعد میں (GALAXIES) بنیں۔ ان ٹکڑوں میں انجماد کی صورت پیدا ہوئی۔ انجماد کی صورت میں مختلف مقامات پر (GRAVITY) پیدا ہوئی جس کے بعد یہ الگ الگ ٹھوس کرے بن گئے۔ لیکن مصنف کی یہ دلیل کس قدر تاسف انگیز ہے کہ پوری کائنات میں صرف ایک ہی نقطہ پر انجماد کی صورت پیدا ہوئی جس سے ہماری زمین بن گئی۔ پھر اس پر جاندار مخلوق پیدا ہوئی۔ اور ان اربوں سالوں میں باقی ساری کائنات دخان کی شکل میں رہی۔ اور پھر جب (مصنف کے نقطۂ نظر سے) سات آسمان اور چھ زمینیں بنیں تو ان کو حکم ملا "اِئْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا"۔ یاد رہے کہ سائنس کی تحقیق کی رو سے زمین کی مادی تخلیق میں (۳۰۰۰) بلین یعنی ۳ ارب سال لگے تھے جس کے بعد اس پر زندگی کی نمود ہوئی۔ اور زندگی کے ارتقاء میں اس وقت تک ۲ ارب سال لگے۔ دخان کا لفظ جامع ہے۔ دھوئیں میں صرف گیس نہیں ہوتی۔ ٹھوس ذرات بھی ہوتے ہیں۔ اور پوری کائنات میں طبیعی حالات ایک ہی جیسے تھے۔ پھر یہ کیسے ہوا کہ اتنی بڑی وسعت میں جس کے فاصلے (LIGHT YEARS) میں ناپے جاتے ہیں، صرف ایک ہی نقطہ پر دخان نے ٹھوس شکل اختیار کی اور باقی ساری کائنات اس طویل عرصے میں دخان ہی رہی۔ قرآن کہتا ہے کہ کائنات میں دوسرے کرّوں پر بھی زندگی موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان مقامات پر جہاں یہ کرّے بنے وہاں بھی ابتداء میں طبیعی حالات ہماری زمین جیسے تھے اور جہاں جہاں زندگی موجود ہے وہاں دخان سے ٹھوس شکل

اختیار کرنے کا عمل کم و بیش ایک ہی وقت میں شروع ہوا۔ ورنہ بصورت دیگر ہماری زمین پر زندگی کی نمود کے بعد دیگر مقامات پر انجماد کا عمل شروع ہونا۔ پھر وہاں کرّوں کا ٹھوس شکل اختیار کرنا۔ پھر وہاں زندگی کی نمود کا وقوع پذیر ہونا، اس قدر قلیل مدت میں کیسے ممکن ہوا؟

ثُمَّ

حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ (SEQUENCE) ترتیب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور (JUXTAPOSITION) کے لئے بھی۔ یعنی ایک سے زائد واقعات بیک وقت بیان ہو رہے ہوں تو بھی (ثم) کا لفظ آتا ہے، جس طرح انگریزی کا لفظ (MORE : OVER) ہے۔ مثلاً سورۂ یونس میں ہے: ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُونَ (۱۰:۴۶) " اور اللہ اس پر گواہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں"۔ یہاں ثم (اذ) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح آیت (۱۱:۴۱) میں بھی (ثم) کا لفظ (SEQUENCE) کے بجائے (JUXTAPOSITION) کے لئے استعمال ہوا ہے۔ لیکن اگر کہا جائے کہ اس آیت میں یہ لفظ ترتیب کے لئے آیا ہے تو پھر غیر مسلموں کا یہ اعتراض حق بجانب ہوگا کہ ان آیات میں سِتَّةِ اَیَّامٍ کی بجائے آٹھ ایام کیوں پائے جاتے ہیں؟

قرآن کریم میں جن مقامات پر ارض و سمٰوات کے الفاظ آئے ہیں ان کے بیان میں بھی کوئی ترتیب نہیں پائی جاتی۔ بیشتر آیات میں سمٰوات کا لفظ پہلے آتا ہے اور ارض کا بعد میں۔ مثلاً آیات (۷/۵۴)؛ (۱۰/۳)؛ (۱۱/۷)؛ (۲۵/۵۹)؛ (۳۲/۴)؛ (۵۰/۳۸)؛ (۵۷/۴)؛ (۷۹/۲۷-۳۳) اور (۹۱/۵-۱۰) میں۔ صرف چند ایک آیات میں ارض کا لفظ پہلے آتا ہے۔ مثلاً (۲۰/۴) اور (۲/۲۹) میں۔ البتہ ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں تخلیق کائنات کے سلسلہ میں (SEQUENCE) ترتیب کا پہلو نمایاں ہے۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا - رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا - وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا - وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا - اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا - وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا - مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ - (۷۹: ۲۷-۳۳)

"کیا تمہاری تخلیق زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی جسے (اللہ) نے بنایا۔ اس کی چھت کو بلند کیا۔ اور اس میں اعتدال و توازن پیدا کیا۔ اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس سے روشنی نکالی۔ اور (بعد ذالک) پھر اس کے بعد زمین کو بچھایا اور اس میں سے پانی اور چارہ نکالا"۔ میں اس آیت سے متعلق اپنے بیان کو سردست یہیں تک محدود رکھتا ہوں کہ اس میں کائناتی واقعات کو ایک (SEQUENCE) میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی پہلے کیا ہوا اور بعد میں کیا ہوا۔ اس کی مزید وضاحت دوسرے موقع پر کروں گا۔ اوّل اس لئے کہ لفظ دحٰھا کے متعلق میرے ذہن میں ایک الجھن موجود ہے جو ابھی دور نہیں ہوئی۔ دوئم اس لئے کہ "وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا" کا مفہوم سائنس کی رو سے تفصیل کا متقاضی ہے۔

سبع سمٰوات

مصنف نے سات آسمانوں اور سات زمینوں کا جو ذکر کیا ہے اس میں بھی الجھاؤ موجود ہے۔ فی زمانہ اکثر مفسرین اس سے متفق ہیں کہ سات کا لفظ تعدد (PLURALITY) کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے سات کا عدد مراد نہیں۔ یعنی یہ لفظ "متعدد" کے معنی میں استعمال ہوا۔ جہاں تک سائنس کے انکشافات کا تعلق ہے ان کی رو سے تاحال سات آسمانوں کو متعین کرنا ممکن نہیں۔ اس مقام پر میں' لغات القرآن' سے اقتباس پیش کرتا ہوں جس میں محترم پرویز صاحب نے قرآن کے لفظ سبع کو، حسب دستور اپنے مخصوص اور دلچسپ انداز میں قرآن ہی کے الفاظ سے واضح کیا ہے۔ انہوں نے اس میں کہا" لین نے بیضاوی کے حوالے سے لکھا ہے کہ

کہ عربوں کے ہاں سبعۃ سات کو ہی نہیں کہتے بلکہ وہ ان معنوں میں بھی بیان کرتے ہیں جن معنوں میں ہم کہتے ہیں "کئی ایک" یا متعدد۔ جیسے ہماری زبان میں بیسیوں یا سینکڑوں کے الفاظ بولے جاتے ہیں جس سے مراد کوئی متعین عدد نہیں ہوتا۔ یا جیسے ہم کہتے ہیں 'تمہیں سو بار سمجھا چکا ہوں' اس سے مراد ٹھیک سو کی تعداد نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں ہے اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (۹:۸۰) اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر تو ان کے لئے ستر بار مغفرت مانگے تو ہم مغفرت نہیں دیں گے اور اگر ستر سے زیادہ دفعہ مانگے تو دے دیں گے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو چاہے ان کے لئے کتنی مرتبہ مغفرت مانگے انہیں مغفرت نہیں مل سکے گی ان معانی کے پیش نظر سبع سموات کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے یعنی "متعدد اجرام فلکی"۔ ہمارے ہاں یہ بھی کہتے ہیں سات سمندر پار۔ مندرجہ ذیل آیت سے بھی سبع کے معنی متعدد واضح ہو جاتے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ . . . . (۲:۲۶۱) "ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات بالیں اگائے اور ایک بال میں سو سو دانے ہوں"۔ ظاہر ہے کہ یہاں سبع سے مراد متعدد ہے"۔ (لغات القرآن)

چنانچہ جہاں تک آیات (۴۱/۹ - ۱۲) کا تعلق ہے یہ واضح ہے کہ سموات و ارض کی مادی تخلیق دو ایام میں معرضِ وجود میں آئی اور زمین پر زندگی کی نمود اربعۃ ایام یعنی چار ایام میں طے پائی۔ ضمناً عرض کر دوں کہ قرآن کے لفظ یوم سے کیا مراد ہے اور ستۃ ایام کیا ہیں اس کے متعلق ایک پورا باب میری کتاب میں موجود ہے۔ (۴۱:۱۱) میں جس سماء کا ذکر ہے یہ وہی سماء ہے جسے (۴۱:۱۲) میں سماء الدنیا کہا گیا ہے۔ اور اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا کا حکم ہماری زمین اور ہمارے آسمان (سماء الدنیا) کو ملا تھا۔ اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا۔ یعنی "سموات و ارض پہلے آپس میں جڑے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں الگ الگ کر دیا"۔ اس کے متعلق مصنف نے درست کہا ہے کہ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب ارض و سموات کا وجود نہیں تھا اور ساری کائنات دخان پر مشتمل تھی۔ لیکن اس سے یہ غلط نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یومِ اوّل وہ تھا جب زمین سورج سے الگ ہوئی۔ یوم دوم وہ تھا جب زمین ٹھنڈی ہو گئی اور یوم سوم وہ تھا جب زمین پر پہاڑ بن گئے، کیونکہ اربعۃ ایام میں زمین کی مادی تخلیق شامل نہیں ہے۔ زمین کا سورج سے الگ ہونا اور ٹھنڈا ہونا 'یومین' سے تعلق رکھتا ہے۔

اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا

آیت (۲۱:۳۰) میں اس بات کا ذکر کہ پہلے سموات و ارض آپس میں جڑے ہوئے تھے پھر الگ الگ ہو گئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ الگ الگ ہو کر ان کا آپس میں کوئی رشتہ باقی نہ رہا اور یہ ایک دوسرے سے بالکل کٹ گئے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے درمیان باہمی ایسا رشتہ قائم رہا جس پر خالق کائنات کے مستقبل کے تخلیقی پروگرام کا انحصار تھا۔

ہماری ارض اور سماء الدنیا کے باہمی رشتہ کا تعلق مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا...... (۵۷:۴)

"وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایام میں پیدا کیا اور اس کا مرکزی کنٹرول اپنے ہاتھ

بیں رکھا۔ جو کچھ زمین سے نکلتا ہے اور جو کچھ اس میں داخل ہوتا ہے۔ جو کچھ فضا کی بلندیوں سے
نیچے اترتا ہے اور جو کچھ اوپر چڑھتا ہے وہ ان سب کا علم رکھتا ہے ؛

غور کیجئے کہ زمین کے جملہ ارتقائی مراحل کی بنیاد زمین اور آسمان کا وہی تعلق ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ زمین میں زندگی سے موت اور موت سے زندگی (یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ) کا مسلسل چکر زمین و آسمان کے اسی باہمی تعلق کی وجہ سے ہے۔ زمین کے اندر اور زمین کے اوپر (SUBMICROSCOPIC) سطح سے لے کر (GLOBAL) سطح تک ہر شے کا ہر آن تغیر پذیر ہونا زمین و آسمان کے اسی باہمی تعلق کی وجہ سے ہے۔ ارض و سماء کے درمیان ہر وقت لین دین کا سلسلہ جاری ہے۔ مادے کا لین دین زمین اور آسمان کے درمیان اس قدر قلیل ہے کہ اسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے' لیکن جہاں تک انرجی کا تعلق ہے، اس کا لین دین بہت بڑے سکیل پر ہر وقت جاری رہتا ہے۔ سَمَاءَ الدُّنْیَا کے (ATMOSPHERE) میں خالق کائنات نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ چھوٹی (WAVE LENGTH) کی زہریلی شعاعیں، کاسمک ریز۔ گاما ریز۔ ایکس ریز۔ اور ایک حد تک الٹرا وائیولیٹ ریز، زمین کی سطح تک نہیں پہنچ سکتیں۔ اگر ایسا ہوتا تو زمین پر زندگی کا قیام ناممکن ہو جاتا ہے) لیکن روشنی، حرارت اور وائرلیس کی شعاعیں ہر وقت آسمان سے ربّ العالمین کے مقرر کردہ پیمانوں کے مطابق نیچے اترتی رہتی ہیں۔ دوسری سمت میں حرارت کی شعاعیں زمین سے آسمان کی طرف بھی جاتی ہیں۔ اگر یہ معلوم کرنا مطلوب ہو کہ ان شعاعوں سے پہاڑ، دریا، سمندر، ریگستان اور جنگلات۔ پودے اور جانور۔ ان کی زندگی اور موت۔ کس طرح متاثر ہوتے ہیں تو میری کتاب کے باب ۹ بعنوان (ENVIRONMENT AND NUTRITION) میں ملاحظہ فرمایئے)۔ یہی وہ قوانین فطرت ہیں جن پر عمل کرنے کے لئے زمین و آسمان کو اِئْتِیَا طَوْعًا وَّكَرْهًا کا حکم ملا۔ چنانچہ وہ رضامندی سے ایک دوسرے کے قریب آ گئے کیونکہ مستقبل میں جو واقعات ارض و سماء میں رونما ہونے والے تھے ان کا انحصار انہی قوانین پر عمل اور اسی باہمی میل جول پر تھا۔

☆

سورۂ حٰمٓ کی آیت (۱۲) میں بارک۔ قدر۔ اَقْوَاتَهَا کے الفاظ میں بڑے اہم نکات پوشیدہ ہیں۔ جی تو چاہتا تھا کہ میں انہیں اس مقام پر پیش خدمت قارئین کر دوں، لیکن چونکہ ان کا تعلق موضوع زیر نظر سے نہیں اس لئے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ انہیں دوسرے وقت پر اٹھا رکھوں۔ یار زندہ صحبت باقی۔

☆

ضمناً۔ لفظ عالمین کے معانی پر غور کرتے ہوئے میں نے سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) کی تفسیر تفہیم القرآن کو بڑے شوق سے کھولا تاکہ میں قرآن کریم کی سب سے پہلی آیت میں اس لفظ کے متعلق ان کی تحقیق سے مستفید ہو سکوں لیکن یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ انہوں نے عالمین کا ترجمہ "کائنات" کرنے کے بعد اس پر ایک حرف بھی نہیں لکھا۔ لیکن اس کے بعد جب میں نے "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کے متعلق ان کی تفسیر کو دیکھا تو مجھے حیرت یا افسوس ہی نہیں ہوا۔ دکھ ہوا۔ انہوں نے الرحمٰن الرحیم کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :-

انسان کا خاصہ ہے کہ جب کوئی چیز اس کی نگاہ میں بہت زیادہ بڑھتی ہے تو وہ مبالغہ کے صیغوں میں اس

کو بیان کرتا ہے اور اگر ایک مبالغہ کا لفظ بول کر وہ محسوس کرتا ہے کہ اس شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں تو پھر وہ اس معنی کا ایک اور لفظ بولتا ہے تاکہ وہ کمی پوری ہو جائے جو اس کے بیان میں رہ گئی ہے۔ اللہ کی تعریف میں رحمٰن کا لفظ استعمال کرنے کے بعد پھر رحیم کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے۔ رحمٰن عربی زبان میں بڑے سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لیکن خدا کی رحمت اور مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے، اس قدر وسیع ہے، ایسی بے حد و حساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔ اس لئے اس کی فراوانی کا حق ادا کرنے کے لئے پھر رحیم کا لفظ مزید استعمال کیا گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کی فیاضی کے بیان میں "سخی" کا لفظ بول کر جب تشنگی محسوس کرتے ہیں تو اس پر "داتا" کا اضافہ کرتے ہیں، رنگ کی تعریف میں جب "گورے" کو کافی نہیں پاتے تو اس پر "چٹے" کا لفظ اور بڑھا دیتے ہیں۔ درازیٔ قد کے ذکر میں جب "لمبا" کہنے سے تسلی نہیں ہوتی تو اس کے بعد "تڑنگا" بھی کہتے ہیں۔"

(تفہیم القرآن۔ جلد اوّل۔ صفحہ ۲۲۔ طبع اوّل)

یعنی مودودی مرحوم کے الفاظ میں، جب اللہ تعالیٰ نے رحمٰن کا لفظ استعمال کیا تو اس سے اس کا جی نہ بھرا۔ اس کی تسلی نہ ہوئی اس نے کچھ تشنگی محسوس کی تو اس پر رحیم کا اضافہ کر دیا۔ جیسے درازیٔ قد کے لئے ہم کہتے ہیں

لمبا تڑنگا۔ (تڑنگا مہمل ہے)

یہ ہے مرحوم کے نزدیک رحمٰن کے ساتھ رحیم کے لفظ کے اضافہ کا فلسفہ۔ مجھے اس سے دکھ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمٰن اور رحیم کے دو الگ الگ الفاظ استعمال کر کے نظریۂ ارتقاء کی جس عظیم حقیقت کو واشگاف کیا تھا، مودودی مرحوم کی تفسیر نے اسے مسل کر رکھ دیا۔ اس مقام پر اس کے لئے گنجائش نہیں، ورنہ میں اس سائنٹفک نکتہ کی وضاحت کر دیتا۔ سردست میں اتنا ہی عرض کروں گا کہ جو حضرات اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہوں، وہ پرویز صاحب کی "لغات القرآن" میں (ر۔ح۔م) کے زیرِ عنوان رحمٰن اور رحیم کا فرق ملاحظہ کریں اور انہوں نے مفہوم القرآن میں سورۃ فاتحہ کا جو مفہوم بیان کیا ہے، اس پر ایک نگاہ ڈالیں اور پھر دیکھیں کہ ان دو الگ الگ الفاظ (رحمٰن و رحیم) میں حقائق کی کتنی دنیائیں جھلک رہی ہیں!

☆

خریدار صاحبان متوجہ ہوں

(۱) بسا اوقات ادارہ ہذا کے نام جو منی آرڈر موصول ہوتے ہیں اُن کے کوپنز (COUPONS) پر خریدار کا مکمل پتہ نہیں لکھا ہوا ہوتا۔ اس کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ تعمیل میں بلا وجہ تاخیر نہ ہو۔

(۲) پرچہ نہ ملنے کی اطلاع خریدار ماہِ رواں کی پندرہ تاریخ تک بھیج دیں۔ اس صورت میں ہی پرچہ دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔

(۳) جواب طلب امور کے لئے جوابی لفافہ ارسال کریں۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام

حقائق و عبر

۱۔ اسلامی نظام کے متعلق تحقیق

ہم شروع سے کہتے چلے آ رہے ہیں کہ اسلامی نظام کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لئے ہمارے ہاں آجکل جس انداز سے تحقیق کی جا رہی ہے، یہ سب سعیِ لاحاصل ہے۔ اس کا نتیجہ وقت اور دولت کے ضیاع کے سوا کچھ نہیں نکلے گا۔ قدامت پرست طبقہ کی طرف سے ہمارے اس تبصرہ کی سخت مخالفت ہوئی اور (جیسا کہ ان کی عام روش رہی ہے) انہوں نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ طلوعِ اسلام، چاہتا ہی نہیں کہ ملک میں اسلامی نظام نافذ ہو۔ ہم یہ سب کچھ حسبِ معمول خاموشی سے برداشت کرتے رہے۔ اب یہی کچھ خود ان حضرات کی طرف سے کہا جا رہا ہے۔ لاہور ہائی کورٹ کی شریعت بنچ کے سامنے، اسلامی نظام کے تعین کے سلسلہ میں جو رِٹ درخواست زیرِ سماعت ہے، اس سلسلہ میں، ہفت روزہ جریدہ "اہلِ حدیث" اپنی ۴ جنوری ۱۹۸۰ء کی اشاعت میں، "اندیشہ درست نکلا" کے زیرِ عنوان رقمطراز ہے:۔

> ہمیں اس بات کی ذرہ بھر خوشی نہیں کہ آخر وہی ہوا جس کا ہمیں اندیشہ تھا اور جس کا اظہار ہم نے واشگاف الفاظ میں کر دیا تھا لیکن ہمیں شریعت بنچ کے فاضل ارکان کی زبان سے یہ معلوم کر کے انتہائی حیرت ہوئی کہ چار پانچ ہفتے کی سماعت کے بعد انہوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ زیرِ بحث مسئلہ کا تعلق آئین سے ہے اور آئین پر اظہارِ خیال کرنا ہمارے دائرہ کار سے باہر ہے اس لئے مناسب یہ ہو گا کہ یہ مسئلہ اسلامی مشاورتی کونسل میں پیش کیا جائے اور بحث چلتے چلتے اس مقام پر آ پہنچی کہ شریعت بنچ کا دائرہ کار کیا ہے؟ کیا اچھا ہوتا کہ نفسِ مسئلہ پر دلائل سماعت کرنے سے قبل ہی اس نقطہ کا فیصلہ کر لیا جاتا اور قوم ایک نئی اُلجھن سے دوچار نہ ہوتی۔

حیرت کی انتہا فاضل بنچ کی طرف سے اس اظہارِ معذوری کے بعد اصل رِٹ گذار نے تو پنجاب ہائی کورٹ کے فل بنچ میں ایک اور رِٹ درخواست پیش کر دی ہے جس کی باقاعدہ سماعت بھی شروع ہو چکی ہے لیکن شریعت بنچ میں ان کی اوّل الذکر رِٹ کے سلسلہ میں ان سے مختلف نقطۂ نگاہ رکھنے والے حضرات تاہنوز اپنا اپنا مؤقف اور دلائل پیش کر رہے ہیں یہ بات ہمارے لئے موجبِ حیرت ہے کہ جب شریعت بنچ عالی امور

پرسنل لاء اور سنہ ۱۹۷۳ء کے آئین کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا تو پھر یہ طول طویل بحثیں تضییع اوقات اور عوام الناس کو نئی الجھنوں میں الجھانے کی کوشش نہیں تو اور کیا ہے؟

ہم ان حضرات کی خدمت میں اس سے زیادہ اور کیا عرض کر سکتے ہیں کہ

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!

اسلامی نظام کا تعین خالصتہً خدا کی کتاب سے ہو سکے گا جو اپنے مطالب کے بیان کرنے میں نہایت واضح ہے۔

---(۰)---

۲- حج کا مقصد

پرویز صاحب نے اپنی قرآنی بصیرت کی رو سے، دین کی جن فراموش کردہ حقیقتوں کی یاددہانی کرائی ہے ان میں ایک اہم حقیقت یہ ہے کہ (انہوں نے بتایا کہ) اس وقت ہمارے ہاں جو مذہبی شعائر اور مناسک (نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ وغیرہ) مروج ہیں دین میں ان کی غایت کیا تھی اور مقصد و منتہیٰ کیا۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے کہا تھا کہ حج، درحقیقت "آل ورلڈ مسلم کانفرنس" تھی جس سے مقصود یہ تھا (اور یہی مقصود اب بھی ہونا چاہیئے) کہ

تمام دنیا کے انسان بلا تفریقِ رنگ و نسل اور بلا امتیازِ وطن و زبان جو اس نصب العین پر ایمان رکھتے ہوں کہ دنیا میں کسی انسان کو دوسرے انسانوں پر حکومت کرنے کا حق نہیں —— حکومت صرف خدا کے قانون کی جائز ہے، اپنے اپنے ملکوں سے اپنے نمائندے چنیں۔ یہ نمائندے اپنے میں سے ایک منتخب کردہ امیر کی زیرِ قیادت، مرکزِ وحدتِ انسانیت، یعنی کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوں۔ عرفات کے میدان میں ان تمام نمائندگان کا باہمی تعارف ہو۔ پھر یہ نمائندگانِ ملّت اپنے میں سے ایک قائد کا انتخاب کر لیں اور مختلف ممالک کے احوال و ظروف کو سامنے رکھ کر باہمی مشاورت سے ایک ایسا پروگرام مرتب کریں جو آئندہ سال کے لئے اصولی طور پر بطور مشترکہ پالیسی اختیار کیا جائے اور جو امن و سلامتی انسانیت کا ضامن اور فلاح و سعادتِ آدمیت کا کفیل ہو۔ ان کا منتخب کردہ امام اپنے خطبۂ حج میں اس پروگرام کا اعلان کرے جو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ جائے۔ اس کے بعد یہ تمام نمائندگان مقامِ منیٰ میں جمع ہو کر اس اصولی پروگرام کی تفصیلات و جزئیات پر غور کریں اور سوچیں کہ مختلف ممالک پر اس کا عمل اثر اور ردِعمل کیا ہوگا۔ ...... اس کے بعد یہ نمائندگان اپنے اپنے ملکوں کو واپس آجائیں اور اس طے شدہ پروگرام کے مطابق اپنے اپنے لوگوں کو چلائیں۔ (بحوالہ طلوعِ اسلام۔ نومبر سنہ ۱۹۷۸ء)

پرویز صاحب نے حج کے اس مقصد و مفہوم کو، نومبر سنہ ۱۹۴۸ء میں اپنی ایک ریڈیائی تقریر میں بیان کیا تھا۔ اس پر قدامت پرست طبقہ کی طرف سے مخالفت کا ہجوم امنڈ آیا کہ حج ایک عبادت ہے اور یہ شخص اس میں سیاست کی آمیزش سے اسلام کو "سیکولر" بنانا چاہتا ہے۔

قارئین کو شاید یاد ہو کہ نومبر سنہ ۱۹۷۹ء میں دوحہ (قطر) کے مقام پر ایک بین الاقوامی سیرت کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں (۳۷) مسلم ممالک کے (۲۶۷) مندوبین نے شرکت کی تھی۔ اس کانفرنس کی روئیداد دوبئی سے شائع ہونے والے انگریزی روزنامہ "خلیج ٹائمز" کی اشاعات بابت ۲۹ر نومبر اور ۷-۸-۹ر دسمبر سنہ ۱۹۷۹ء میں چھپی ہے جو ہمارے سامنے ہیں۔ اس کانفرنس نے مختلف امور پر غور و فکر کے لئے مختلف کمیٹیاں مقرر کی تھیں۔ ان میں سے جس کمیٹی کا تعلق "سنت اور حدیث" سے تھا، اس نے ایک سفارش یہ بھی کی تھی کہ

> ایک موضوع یہ بھی زیرِ غور آیا کہ ہر سال یوم عرفات پر مختلف ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے احوال و کوائف پر بحث کی جائے۔ اس بحث و نظر کی رو سے جو معلومات حاصل ہوں، ان کی روشنی میں یہ کمیٹی ایک رپورٹ مرتب کرے جسے جبلِ رحمت سے شائع کیا جائے۔ پھر اس رپورٹ اور اعلان کو تمام مسلم ممالک میں عام کیا جائے اور اس طرح تمام مسلمانوں میں باہمی یگانگت اور وحدت کے احساس کو بیدار کیا جائے۔ (خلیج ٹائمز۔ بابت ۲۹ر نومبر سنہ ۱۹۷۹ء)

اس کے بعد اس کانفرنس نے جو قراردادیں منظور کیں، ان میں ایک قرارداد یہ بھی تھی:۔

> (نمبر ۱) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عرفات پر ایک محیط کل خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ حضورؐ کی اس سنت کے احیاء کے لئے یہ کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ ایسے علماء جن کا علم و تقویٰ مسلّم ہو، ایک جامع اور مانع خطبہ مرتب کریں جس میں اسلامی احکام و قوانین کی روشنی میں دنیائے اسلام کے پیش آمدہ امور سے بحث کی گئی ہو۔ اس خطبہ کو (جبلِ رحمت سے) براڈ کاسٹ کیا جائے، اور اس کے بعد تمام عالمِ اسلام میں اس کی نشر و اشاعت کی جائے۔
>
> (ایضاً۔ مورخہ ۷ر دسمبر سنہ ۱۹۷۹ء)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ زمانے کے تقاضے ان حضرات کو حقائق تسلیم کرنے پر کس طرح مجبور کر رہے ہیں۔

———(۰)———

۳۔ قرآن فہمی کا انوکھا طریقہ

کوئی صاحب ہیں، پروفیسر عبدالقیوم۔ ان کا ایک طول طویل مقالہ، روزنامہ پاکستان ٹائمز کی دو اشاعتوں (بابت ۱۰ر جنوری و ۷ار جنوری سنہ ۱۹۸۰ء) میں چھپا ہے۔ مقالہ کا عنوان ہے:۔

ISLAM: ISLAMISATION AND HOLY QURAN.

اس میں انہوں نے پہلے یہ بحث کی ہے کہ جب تک ہم مسلمان نہیں بن جاتے اور اپنے ہر شعبۂ زندگی کو مسلمان نہیں کر لیتے، ہماری کوئی کوشش نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے سمجھیں کہ اسلام کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے لکھا ہے:۔

اس تمام بحث سے ایک ہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم میں سے ہر ایک کے لئے لابدی

ہے کہ وہ خود، اور براہِ راست سمجھے کہ اسلام کا مفہوم کیا ہے۔ اس کا یہ سمجھنا سنی سنائی باتوں پر مبنی نہ ہو بلکہ اس سرچشمہ ہدایت سے حاصل کردہ ہو جس میں کوئی غلط بات نہیں اور جس تک ہم سب کی رسائی ہے ——— یعنی قرآنِ مجید ——— اگر ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کیا ہے، اور ہم اپنے خیال و مقال و اعمال میں مسلمان ہونا چاہتے ہیں، تو ان کا ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ کہ ہم براہِ راست قرآنِ مجید کا مطالعہ کریں۔ اس ذاتی مطالعہ کا بدل کچھ نہیں ہو سکتا۔ (پاکستان ٹائمز - ۱۰ر جنوری سنہ ۱۹۸۰ء)

بہت خوب! اس کے بعد پروفیسر صاحب نے کہا ہے :-

اس بات کے سمجھنے سمجھانے کے لئے کسی (افلاطونی) دلیل کی ضرورت نہیں کہ جب ہم قرآن مجید کی تلاوت کریں تو ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں۔ اگر ہم محض قرآن کے الفاظ دہراتے جاتے ہیں اور سمجھتے نہیں کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے تو ہم اسے اس کے مقامِ بلند سے نیچے اتار کر منتر جنتر کی سطح پر لے آتے ہیں۔ قرآن اس طرح کی بلا مطلب و معانی تلاوت کے لئے نازل نہیں کیا گیا تھا، نہ ہی اس سے مقصود یہ تھا کہ اس کے تعویذ بنائے جائیں اور انہیں زعفران سے لکھ کر اور گھول کر بیماروں کو پلائے جائیں۔ قرآن کی رحمت اس طرح عمل پیرا نہیں ہو سکتی۔ یہ قرآن کو جذب کرنے کے بالکل غلط طریقے ہیں۔ (ایضاً ۱۰ر جنوری)

بجا اور درست۔ اس کے بعد انہوں نے کہا ہے کہ قرآن، اپنے اصلی، عربی الفاظ میں قرآن ہے۔ اس لئے اسے اسی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ (انہوں نے لکھا ہے)

یہاں سے یہ سوال سامنے آتا ہے کہ یہ کیوں ضروری ہے کہ ہم قرآن کو اس کی اصلی (عربی) زبان میں پڑھیں اور اسی سے اسے سمجھیں۔ قرآنِ کریم کے ترجمہ سے یہ مقصد کیوں حاصل نہیں ہو سکتا؟ اس کا جواب صاف اور سیدھا ہے۔ قرآن کا ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا۔ قرآن کا ترجمہ قرآن نہیں۔ قرآن کا ترجمہ اس کے حقیقی معانی اور مفہوم کو ادا کر ہی نہیں سکتا۔ ترجمہ میں بعض مقامات پر مفہوم مسخ ہو جاتا ہے۔ بعض مطالب گم ہو جاتے ہیں اور کچھ بلا ترجمہ رہ جاتا ہے (قرآن تو ایک طرف) اقبالؒ کے بانگِ درا، ٹیگور کی گیتانجلی اور گوئٹے کے فاسٹ تک کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بات آسمانی کتابوں پر اور بھی شدت سے صادق آتی ہے، اور تمام آسمانی کتابوں میں سے قرآن مجید پر اور بھی واضح طور پر۔ (اس کا ترجمہ کسی صورت میں ممکن نہیں)۔ (ایضاً ۷ر جنوری)

بالکل ٹھیک۔ اس کے بعد پروفیسر صاحب نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ جو لوگ عربی زبان نہیں جانتے وہ قرآن مجید کو کس طرح سمجھیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا ہے کہ یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ " میں خود عربی زبان سے ناواقف ہوں۔ اس کے باوجود میں نے قرآنِ مجید کو سمجھ لیا ہے۔ اس کے لئے جو طریق میں نے اختیار کیا، وہ پیشِ خدمت قارئین ہے۔ یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔"

اس مقام پر پہنچ کر ہماری دلچسپی بہت بڑھ گئی کہ پروفیسر صاحب نے وہ کونسا طریق اختیار کیا جس سے عربی زبان سے واقف ہوئے بغیر، انہوں نے قرآنِ مجید کو براہِ راست سمجھ لیا۔ انہوں نے اس کا جو طریق بتایا وہ مختصر الفاظ میں درج ذیل ہے:۔

میں نے ایک فٹ رُولر لیا اور چار مختلف رنگوں کے قلم۔ ایک پنسل۔ مارماڈیوک پکتھال کا ترجمۂ قرآن۔ جس میں ہر آیت کے بالمقابل قرآن کی آیت درج تھی۔ میں نے قرآنی آیات کو چار موضوعات میں تقسیم کیا اور سارے ترجمہ کو ان موضوعات کے مطابق نشان زدہ کرتا گیا۔ پھر میں نے یہ کیا کہ قرآنی آیت کو بآواز بلند پڑھتا اور اس کے ساتھ اس کے ترجمہ کو۔ اس عمل کو میں نے ہزار ہا بار اس طرح دہرایا کہ ہر آیت کا ترجمہ مجھے حفظ ہو گیا۔ یوں میں نے قرآنی مفہوم کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ اب میں قرآن کی آیات پڑھتا ہوں تو ان کا ترجمہ خود بخود میرے ذہن میں آجاتا ہے۔

آپ نے پروفیسر صاحب کے اس طریق کار پر غور فرمایا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ قرآنِ مجید کا ترجمہ کسی زبان میں نہیں ہو سکتا۔ اور ترجموں سے قرآن سمجھ نہیں نہیں آسکتا۔ اور خود ایک ترجمہ ہی کی مدد لت سے یہ دعویٰ کر دیا کہ میں نے قرآن سمجھ لیا ہے! ہم پروفیسر صاحب کی خدمت میں یہ عرض کرنے والے تھے کہ جب آپ نے خود ہی کہا تھا کہ قرآنِ مجید کا ترجمہ ہو نہیں سکتا اور اس کے ترجموں سے سمجھ میں نہیں آسکتا تو اس کے بعد آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے ایک ترجمہ کے دہرانے سے قرآن سمجھ لیا ہے؟ ہم یہ کہنے ہی والے تھے کہ ان کا یہ فقرہ ہمارے سامنے آیا کہ

جس طریق سے میرے خدا نے مجھے سکھایا تھا میں اسی طریق سے قرآن پڑھتا چلا گیا۔

(ایضاً۔ ۱۷ر جنوری)

تو جس طریق کو "خود خدا نے سکھایا ہو" اس پر تنقید کرنے کی "ہم بندے بشر" کس طرح جرأت کر سکتے ہیں! وہ مقام ہمارے انسانی فہم کی دسترس سے بلند و بالا ہے!

پروفیسر صاحب نے (ان کے الفاظ میں) "خدا سے تعلیم پاکر" قرآن فہمی کا جو طریق اختیار کیا تھا اسے وہ اپنی ذات تک محدود رہنے دیتے تو ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ لیکن انہوں نے اس الوہیاتی راز کو عام کر کے دوسروں کو جس راہ پر لگا دیا ہے اس سے ہمیں افسوس ہوا۔ چنانچہ پاکستان ٹائمز کی ایک بعد کی اشاعت میں کسی صاحب کا ایک خط شائع ہوا تھا کہ انہوں نے، پروفیسر صاحب کے مقالہ سے متاثر ہو کر، قرآن فہمی کا وہی طریق اختیار کیا ہے اور خدا چاہے وہ اس پر عمر بھر کاربند رہیں گے۔

ہم پروفیسر صاحب سے تو نہیں، البتہ ان کے مقالہ سے متاثر ہونے والے حضرات کی خدمت میں گذارش کریں گے کہ آپ جتنا وقت اس طرح ترجمہ رٹنے میں صرف کریں گے اس کا سواں حصہ بھی عربی زبان سیکھنے میں صرف کر دیں تو قرآن تک آپ کی رسائی براہِ راست ہو جائے۔

(○)

محمد شاہد عادل

مکّہ شریف کے مکانوں کا کرایہ

ماہنامہ "ترجمان القرآن" جماعتِ اسلامی کا وہ جریدہ ہے جس کے مرتب خود سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) تھے وہ تو وفات پا گئے لیکن رسالہ کے ٹائیٹل پر ان ہی کا نام ثبت ہوتا ہے۔ اس رسالہ کے متعلق عام تاثر یہ ہے کہ اس میں جو کچھ چھپتا ہے مستند اور قابلِ اعتماد ہوتا ہے اور اس میں اسلام کو اس کی اصل شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ آجکل اس کے اشارات محترم نعیم صدیقی صاحب کے تحریر فرمودہ ہوتے ہیں۔

اس ماہنامہ کی اشاعت بابت دسمبر ۱۹۷۹ء کے اشارات میں صدیقی صاحب نے اس الم انگیز حادثہ کے ضمن میں جس سے سالِ گذشتہ حرم شریف کا تقدس پامال ہو گیا تھا، تفصیل سے لکھا ہے کہ حرم کعبہ میں از روئے شریعت کون کون سی باتیں ممنوع ہیں۔ انہوں نے یہ کچھ مودودی (مرحوم) کی تفہیم القرآن اور تفسیر ابن کثیر کے حوالوں سے تحریر فرمایا ہے۔ تفسیر ابن کثیر کے حوالوں سے بہت سی ایسی چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے جو وہاں ممنوع ہیں کہا ہے کہ "ابن کثیر بحث کے آخر میں لکھتے ہیں کہ یہ جتنی مثالیں مذکور ہوئیں ان سے آیت زیرِ نظر زیادہ وسیع الاطلاق ہے" اس پر انہوں نے حسبِ ذیل فٹ نوٹ دیا ہے۔

> مفسرین کے ہاں ایک اور بحث بھی اس مسئلہ کے متعلق ملتی ہے کہ اہلِ مکہ کو حاجیوں کے لئے گھروں کے دروازے کھول دینے چاہئیں اور ان سے کرایہ وصول نہیں کرنا چاہیئے اور نہ قیمت طعام لی جانی چاہیئے ورنہ ظلم ہوگا۔ اس سلسلہ میں محدثین و فقہاء نے بحثیں کرکے اس انتہا پسندانہ نقطۂ نظر کی کمزوری واضح کر دی ہے۔ یہاں تذکرہ غیر ضروری ہے۔ (اشارات۔ صفحہ ۸)

آپ کو معلوم ہے کہ جس نقطۂ نظر کو صدیقی صاحب انتہا پسندانہ اور کمزور قرار دیتے ہیں وہ کس کا پیش فرمودہ ہے؟ وہ پیش فرمودہ ہے خود ذات رسالتمآب کا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی روایت کردہ حدیث میں ہے:۔

> قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مکۃ مناخ لا تباع رباعھا ولا تؤاجر بیوتھا۔ (احکام القرآن للجصاص جلد سوم۔ صفحہ ۲۸۲)
>
> حضورؐ نے فرمایا کہ مکہ آماجگاہ ہے۔ اس کے مکان نہ فروخت کئے جا سکتے ہیں اور نہ ہی کرائے پر دیئے جا سکتے ہیں۔

شاید کہہ دیا جائے کہ صدیقی صاحب کی نگاہوں سے یہ حدیث اوجھل ہو گئی ہو گی۔ لیکن اس کے متعلق کیا کہا جائیگا

کہ انہوں نے تفسیر ابنِ کثیر کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اس کے تسلسل میں وہیں یہ عبارت بھی موجود ہے :-

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نہ تو مکے شریف کے مکانوں کا بیچنا جائز ہے نہ ان کا کرایہ لینا حضرت عطاءؒ بھی حرم میں کرایہ لینے کو منع کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب مکے شریف کے گھروں کے دروازے رکھنے سے روکتے تھے کیونکہ صحن میں حاجی لوگ ٹھہرا کرتے تھے ..... حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مکے شریف کے گھروں کا کرایہ کھانے والا اپنے پیٹ میں آگ بھرنے والا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر اردو ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی۔ سترھواں پارہ۔ صفحہ ۴)

صدیقی صاحب نے کہا ہے کہ محدثین و فقہا نے بحثیں کر کے اس انتہا پسندانہ نقطۂ نظر کی کمزوری واضح کر دی ہے۔ جماعتِ اسلامی فقہ حنفی کو بڑی اہمیت دیتی ہے۔ چنانچہ مودودی مرحوم اسے پاکستان میں رائج کرنے پر زور دیتے تھے۔ حنفی فقہ کے فقہاء نے مندرجہ ذیل حدیث شریف کے حوالہ سے فتویٰ دے رکھا ہے کہ مکہ شریف کے مکانوں کا کرایہ لینا سود کی طرح حرام ہے .....

من اکل کراء ارض مکۃ فکانما اکل الربٰو۔

جس نے مکہ شریف کے مکانوں (ارضِ مکہ) کا کرایہ کھایا اس نے گویا سود کھایا۔

(ہدایہ مطبوعہ دہلی۔ جلد چہارم۔ صفحہ ۴۵)

اور اب مقطع کا بند ملاحظہ فرمایئے اور یہ دیکھئے کہ صدیقی صاحب کے پیر و مرشد سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) اس باب میں کیا فرماتے ہیں۔ انہوں نے اسی تفہیم القرآن میں جس کے متعدد اقتباسات صدیقی صاحب نے اپنے ارشادات میں نقل فرمائے ہیں۔ مکے کے مکانوں سے متعلق احادیث رسول اللہ نقل کرنے کے بعد اپنی تحقیق کا نچوڑ ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

ان روایات کی بناء پر بکثرت تابعینؒ اس طرف گئے ہیں اور فقہاء میں سے امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ۔ سفیانؒ ثوری۔ امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاقؒ بن راہویہ کی بھی یہی رائے ہے کہ اراضیٔ مکہ کی بیع اور کم از کم موسم حج میں مکے کے مکانوں کا کرایہ جائز نہیں۔ البتہ بیشتر فقہا نے مکہ کے مکانات پر لوگوں کی ملکیت تسلیم کی ہے اور ان کی، بحیثیت عمارت نہ کہ بحیثیت زمین، بیع کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

یہی مسلک کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور خلفائے راشدینؓ سے قریب تر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کے مسلمانوں پر حج اس لئے فرض نہیں کیا ہے کہ یہ اہلِ مکہ کے لئے آمدنی کا ذریعہ بنے اور جو مسلمان احساسِ فرض سے مجبور ہو کر وہاں جائیں، انہیں وہاں کے مالکانِ زمین اور مالکانِ مکانات خوب کرائے وصول کر کے لوٹیں۔ وہ ایک وقف عام ہے تمام اہلِ ایمان کے لئے۔ اس کی زمین کسی کی ملکیت نہیں ہر زائر کو حق ہے کہ جہاں جگہ پائے ٹھہر جائے۔

(تفہیم القرآن۔ جلد سوم۔ ایڈیشن اوّل۔ صفحہ ۲۱۶-۲۱۷)

یہ ہے بنکے کے مکانوں کے کرائے کی پوزیشن از روئے احادیث رسول اللہ ——— از روئے مسلک خلفائے راشدین رض ——— از روئے فتاویٰ فقہائے کرام رح اور خود مودودی صاحب کی تحقیق کی رو سے۔ اور جسے صدیقی صاحب "کمزور اور انتہا پسندانہ نقطۂ نظر" قرار دیتے ہیں۔ کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ جو اقتباسات اوپر پیش کئے گئے ہیں صدیقی صاحب ان سے ناواقف تھے؟ اس کے بعد اس کے سوا کیا کہا جائے گا کہ یہ دانستہ کتمانِ حقیقت ہے، اور دین میں کتمانِ حقیقت کو جس قدر سنگین جرم قرار دیا گیا ہے وہ واضح ہے۔ جن مصلحتوں کی بنا پر صدیقی صاحب اس حقیقت کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں کہ بنکے کے مکانوں کے کرائے وصول کرنا جائز نہیں، ان کا ہمیں احساس ہے لیکن جب مصلحتیں اظہارِ حقیقت پر غالب آ جائیں تو پھر دین جس طرح مسخ ہو جاتا ہے وہ ظاہر ہے۔ ونعوذ باللہ من ذٰلک۔

ایک مدت کے انتظار کے بعد عصرِ حاضر کی نہایت اہم تصنیف

نظامِ ربوبیت (شائع ہو گئی)

(یہ پہلے ایڈیشن سے کہیں مختلف ہے)

آپ ایک عرصہ سے سنتے چلے آ رہے ہیں کہ اسلام، نہ نظامِ سرمایہ داری کا حامی ہے، نہ کمیونزم کا۔ اس کا اپنا منفرد معاشی نظام ہے جس میں نوعِ انسان کی مشکلات کا حل مضمر ہے۔ لیکن کسی نے یہ نہ بتایا کہ اسلام کا وہ معاشی نظام ہے کیا؟ مفکرِ قرآن، پرویز صاحب کی اس تصنیف میں یہ نہایت وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ:۔

(۱) نظامِ سرمایہ داری کیا ہے؟ کمیونزم اور سوشلزم کے نظام کیا ہیں اور یہ کیوں ناکام رہ گئے ہیں۔

ان کے برعکس

(۲) اسلام کا وہ معاشی نظام کیا ہے جو نوعِ انسان کی مشکلات کا اطمینان بخش حل پیش کرتا ہے۔ اس کی روشنی میں یہ بھی بتایا گیا ہے:۔

- مارکس نے کس طرح یہ اعتراف کیا کہ اس کا نظام ناقابلِ عمل ہے۔
- ماؤزے تنگ کا فلسفۂ اضداد کی بنیادیں کس طرح نااستوار ہیں۔
- ربوٰا (سود) کا مسئلہ کیا ہے اور اس کا حل کیا ہے۔
- زکوٰۃ کا قرآنی مفہوم کیا ہے۔

اس کتاب کے بعد آپ کو معاشیات کے موضوع پر کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں رہے گی۔

کتاب، آفسٹ کی چھپائی میں، ولایتی سفید کاغذ پر طبع ہوئی ہے ——— ضخامت سوا چار سو صفحات ——— سنہری جلد

قیمت فی جلد پچاس روپے ——— (علاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵۔ بی گلبرگ ۲ لاہور • مکتبہ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور

نقد و نظر

مکاشفۃ القلوب مصنفہ امام غزالیؒ

ایک دوست کی وساطت سے ایک دیدہ زیب کتاب دیکھنے میں آئی۔ دیدہ زیب اس طور پر کہ وہ عمدہ سفید کاغذ پر چھپی ہے۔ کتابت اُجلی اور طباعت روشن ہے۔ جلد مضبوط بھی ہے اور مُطلا بھی۔ کتاب کا نام ہے مکاشفۃ القلوب جو امام غزالیؒ کی تصنیف ہے۔ اس کا اردو ترجمہ قاری محمد عطاء اللہ صاحب خطیب مسجد حضرت شاہ محمد غوثؒ نے کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ترجمہ کے دوران "کن کن مشکلات اور مسائل سے دوچار ہونا پڑا اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔" انہوں نے ترجمہ کے لئے اس کتاب کا انتخاب کیوں کیا، اس کے متعلق کہتے ہیں کہ مقصد یہ تھا کہ

> اس سے نوجوان نسل اور اسلام سے بیگانہ ذہنوں اور بے عمل مسلمانوں کو ہدایت کی روشنی نصیب ہو اور وہ لوگ جو غیر اسلامی نظریات سے مرعوب ہیں ان نظریات کی حقیقت جان لیں۔ (صؔ)

کتاب کا مقدمہ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (علیگ) نے رقم فرمایا ہے۔ اس میں وہ کہتے ہیں:-

> فاضل مترجم نے محسوس کیا کہ ہمارے ماحول میں افراد کی بالقوہ فطرت کے پوری طرح نشوونما نہ پانے کی بناء پر سب عمرانی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے انہوں نے امام غزالیؒ کی اس تصنیف کے حوالے سے لوگوں کو اپنی سیرت کی اصلاح کی جانب متوجہ کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ اس کتاب کے ترجمے سے دعوت و تبلیغ کا کام لینے کے لئے مترجم کا اس کتاب کو منتخب کرنا فاضل مترجم کی خوش ذوقی کی دلیل ہے۔ اللہ پاک ان کی سعی کو مشکور فرمائے۔ (صؔ)

کس قدر بلند ہیں یہ مقاصد جن کے لئے امام غزالیؒ کی اس کتاب کو ترجمہ کے لئے منتخب کر کے اسے اس حسین اہتمام سے شائع کیا گیا ہے یعنی "نوجوان نسل اور اسلام سے بیگانہ ذہنوں اور بے عمل مسلمانوں کو ہدایت کی روشنی مہیا کرنے کے لئے تاکہ ان کی سیرت کی اصلاح ہو اور جو عمرانی خرابیاں ہمارے معاشرہ میں پیدا ہو چکی ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔" آیئے ہم دیکھیں کہ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے اس کتاب میں کیا تعلیم دی گئی ہے۔ ہم اس ضمن میں چند ایک مثالیں پیش کر سکیں گے۔ آپ انہی سے باقی کتاب کے مندرجات کا اندازہ لگا لیجئے۔ (عنوان بھی کتاب سے منقول ہیں)

(۱) صبر و مرض

حضرت زکریا علیہ السلام یہودیوں سے بچتے ہوئے فرار ہو گئے، وہ ان کے پیچھے لگ گئے جب وہ قریب ہوئے

تو حضرت زکریا علیہ السلام نے ایک درخت کو دیکھا اور کہا اے درخت مجھے اپنے (اندر) داخل کر لے۔ درخت پھٹا اور وہ اس میں داخل ہو گئے اور وہ اوپر سے مل گیا، ابلیس نے لوگوں کو بتا دیا، اور کہا کہ آرا لاؤ اور اسے چیر کر دو ٹکڑے کر دو تاکہ یہ مر جائے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے درخت سے پناہ چاہی اور اللہ تعالیٰ سے پناہ نہیں چاہی۔ آخر نتیجہ میں ہلاکت ہوئی۔ آرے سے لوگوں نے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"جس بندے پر کوئی آفت آئے، تو وہ میری بجائے مخلوق سے پناہ چاہے، تو میں اس پر آسمان کے دروازے بند کر دیتا ہوں"۔

آخر کار جب آرا ان کے دماغ میں پہنچا، تو وہ چلا اٹھے۔ ان سے کہا اے زکریا! اللہ تعالیٰ آپ کو فرماتا ہے کہ تم آفت پر صبر کیوں نہیں کرتے؟ تم آہ کہتے ہو؟ اگر تم نے دوبارہ آہ کی تو تمہارا نام انبیاء کرام کی فہرست سے کاٹ دوں گا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے دبا لیا اور صبر کیا۔ آخر لوگوں نے انہیں چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے"۔

(۲) عشق کا بیان

ایک کنجوس منافق آدمی نے اپنی بیوی کو قسم دی کہ اگر اس نے خیرات دی تو اسے طلاق دے دوں گا، اس کے دروازے پر ایک سائل آیا اور کہا: اے گھر والو! اللہ کے نام پر مجھے کچھ دو۔ بخیل کی بیوی نے اسے تین روٹیاں دیں۔ اچانک منافق (بخیل) کا اس سے سامنا ہو گیا۔ اس نے پوچھا: یہ روٹیاں تجھے کس نے دی ہیں؟ اس نے بتایا کہ فلاں گھر سے ملی ہیں۔ یہ اسی بخیل کا گھر تھا۔ وہ منافق گھر گیا اور اپنی بیوی سے کہا: کیا میں نے تجھے قسم نہیں دی تھی اگر تو نے خیرات کی تو تجھے طلاق دے دوں گا۔ عورت نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کے نام پر دی ہیں۔ منافق نے ہٹ کر تنور گرم کیا۔ جب گرم ہو گیا تو کہنے لگا۔ اس تنور میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ڈال دو۔

عورت اٹھی اور زیورات پہنے۔ منافق نے کہا: زیورات اتار دو۔ عورت نے جواب دیا: دوست دوست کے لئے زینت کرتا ہے اور اب میں اپنے حبیب سے ملاقات کر رہی ہوں۔ اس کے بعد اس نے اپنے آپ کو تنور میں ڈال دیا۔ منافق نے اوپر سے ڈھک دیا اور چلا گیا۔ تین دن کے بعد منافق آیا اور تنور کا ڈھکنا کھولا تو دیکھا کہ عورت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صحیح سلامت ہے۔ اس آدمی کو اس پر حیرت ہوئی، ایک غیبی آواز آئی: کیا تم نہیں جانتے کہ آگ ہمارے دوستوں کو نہیں جلاتی"؟

(۳) دنیا کی مذمت اور ترکِ دنیا

(۱) منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ممنوعہ درخت کا پھل کھایا تو ان کے معدہ میں حرکت پیدا ہوئی تاکہ بوجھ باہر نکالے اور جنت کے کھانوں میں اس درخت کے سوا کسی میں یہ بات نہ تھی۔ اسی وجہ سے انہیں منع کیا گیا تھا

بتاتے ہیں کہ پھر وہ جنت کے اندر پھرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو مخاطب کر کے فرمایا: ان سے پوچھیں کیا چاہتے ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا، پیٹ میں جو تکلیف ہے، اسے باہر ڈالنا چاہتا ہوں۔ فرشتے کو فرمایا: ان سے کہو کس جگہ یہ ڈالنا چاہتے ہو؟ فرش پہ یا چارپائی پہ یا نہروں میں یا درختوں کی چھاؤں میں؟ کیا اس کام کے لئے کوئی جگہ مناسب ہے؟ لہٰذا اس کے لئے انہیں دنیا میں اتارا گیا۔"

(ب) منقول ہے کہ ایک دن تیز بارش، گرج اور کڑک تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی جائے پناہ تلاش کی۔ دور سے ایک خیمہ دیکھا، وہاں پہنچے، تو اس میں ایک عورت تھی، چنانچہ وہاں سے ہٹ گئے۔ پھر پہاڑ میں ایک غار دیکھی، وہاں پہنچے، تو اس میں شیر تھا۔ آپ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا اور دعا کی: اے اللہ تو نے ہر چیز کے لئے جائے پناہ رکھی۔ مگر میرے لئے کوئی جائے پناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی: تیری جائے پناہ میری رحمت کی جگہ ہے۔ قیامت کے دن میں تمہارا ایک سو حوروں سے نکاح کروں گا، جن کو میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اور میں تیرے ولیمہ میں چار ہزار سال تک کھانا کھلاؤں گا۔ ایک دن، دُنیا کی عمر کے برابر ہوگا اور میں منادی کرنے والے کو حکم دوں گا کہ منادی کرے: دُنیا کے زاہد کہاں ہیں؟ آؤ دُنیا کے زاہدو! عیسیٰ ابن مریم کی شادی میں!"

(۴) میدانِ حشر اور اس کی پریشانیاں

حضرت مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: صور ہی قرن ہے (قرن سے مراد سنکھ ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے سنکھ پہ منہ لگا رکھا ہے اور یہ سنکھ بگل کی طرح ہے۔ سنکھ کے منہ کا دائرہ آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، نگاہیں عرش پہ لگی ہوئی ہیں اور انتظار ہے کہ کب حکم ہو اور فوراً صور پھونک دے۔ جب صور پھونکے گا، آسمان اور زمین میں جو بھی ہے، اس پہ صعقہ آئے گا، یعنی شدت گھبراہٹ سے ہر جاندار مر جائے گا، البتہ جسے اللہ چاہے وہ صعقہ سے بچے گا۔ مراد یہ ہے کہ حضرت جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت پہلے صعقہ سے محفوظ رہیں گے۔ پھر ملک الموت کو حکم ہوگا کہ وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام پھر حضرت میکائیل علیہ السلام اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کی روح قبض کرے۔ پھر ملک الموت کی روح قبض کی۔ پہلے نفخہ کے بعد عالم برزخ میں مخلوق میں چالیس برس تک فوت شدہ حالت میں پڑی رہے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ کرے گا اور انہیں حکم دے گا کہ دوبارہ پھونک لگا دیں۔

(۵) عذاب کی اقسام

شیخین (بخاری و مسلم) کی روایت ہے کہ کافر کے دونوں کندھوں کے درمیان تیز رفتار سوار کا تین دن کے سفر کا فاصلہ ہوگا۔

احمد کی روایت ہے کہ کافر کی ڈاڑھ احد پہاڑ کی طرح ہوگی، اس کی ران کو وبیضا کی طرح ہوگی اور دوزخ میں اس کی نشست قدید اور مکہ مکرمہ کے درمیان کے برابر ہوگی جس کا فاصلہ تین دن کا سفر ہے۔ اس کے چمڑے کی موٹائی بیالیس گز ہوگی۔ یہ گز شاہ یمن کا طویل گز ہے۔ یہی ابن حبان وغیرہ کا قول ہے۔

(۶) دوزخ اور میزان کا بیان

"دوزخ کے حالات کے بارے میں حدیث۔ ہے کہ جہنم سیاہ اندھیر ہے، اس میں کچھ روشنی نہیں، کوئی شعلہ (روشنی کے لئے) نہیں؛ اس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے پر ستر ہزار پہاڑ ہیں اور ہر پہاڑ میں ستر ہزار آگ کے شعبے ہیں اور ہر شعبہ ستر ہزار آگ کے قطعات پر مشتمل ہے۔ ہر قطعہ میں آگ کی ستر ہزار وادیاں ہیں اور ہر وادی میں ستر ہزار آگ کے مکان ہیں اور ہر مکان میں ستر ہزار آگ کے کمرے اور ہر کمرے میں ستر ہزار سانپ اور بچھو بھی ستر ہزار ہیں اور ہر بچھو کی ستر ہزار دُمیں ہیں اور ہر دُم میں ستر ہزار زہر کی تھیلیاں ہیں؟

(۷) خاوند کا بیوی پر حق

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، ایک جوان عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں جوان عورت ہوں اور میرا رشتہ طلب کیا جا رہا ہے، میں نکاح کرنے سے نفرت کرتی ہوں۔ اب خاوند کا بیوی پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر اس کے اوپر سے پاؤں تک پیپ لگا ہوا ور تم اسے چاٹ لو، پھر بھی اس کا شکر ادا نہ ہو۔ اس عورت نے کہا: میں شادی نہ کروں؟ فرمایا! نہیں، نکاح کر لو، یہی بدرجہا بہتر ہے۔"

(۸) ماہِ رجب کے فضائل

"حکایت ہے کہ بیت المقدس میں ایک عورت رجب میں ہر روز بارہ ہزار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (سورۂ اخلاص) پڑھتی تھی۔ رجب کے مہینے میں اُونی کپڑا پہنتی تھی، وہ بیمار ہوگئی اور اس نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ میرے ساتھ میرا اونی لباس دفن کر دینا۔ جب وہ فوت ہوئی، تو اسے عمدہ کپڑوں میں دفن کر دیا گیا۔ پھر اسے خواب میں دیکھا تو بیٹے کو کہا: میں تجھ پر راضی نہیں ہوں، اس لئے کہ تو نے میری وصیت پر عمل نہیں کیا۔ وہ گھبرا کر اٹھا اور اس نے اونی لباس لیا تاکہ اسے قبر میں ساتھ ہی دفن کر دے۔ جب اس کی قبر کھودی، تو اپنی ماں کو قبر میں موجود نہیں پایا۔ وہ بہت حیران ہوا۔ اچانک ایک آواز سُنی کہ کیا تو نے نہیں سُنا جس نے رجب میں ہماری عبادت کی، ہم نے اُسے تنہا نہیں چھوڑا؟"

(۹) عذابِ جہنم کا خوف

"راوی بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ فرمایا: اے جبرائیل! تم روتے ہو؟ حالانکہ تم تو بلند ترین مقام پر فائز ہو۔ وہ کہنے لگے: میں کیوں نہ روؤں؟ میں رونے کا زیادہ حقدار ہوں کہ کہیں اللہ تعالیٰ کے علم میں مَیں اپنے موجودہ حال کے علاوہ کسی دوسرے حال پر ہوں اور میں نہیں جانتا کہ کہیں ابلیس کی طرح مجھ پر ابتلا نہ آ جائے، وہ بھی فرشتوں میں رہتا تھا۔ اور میں نہیں جانتا کہ کہیں ہاروت و ماروت کی طرح ابتلا نہ آ جائے۔ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رو پڑے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی رونے لگے۔ دونوں حضرات روتے رہے، آخر کار آواز آئی کہ اے جبرائیل! اور اے محمدؐ! اللہ تعالیٰ نے تم دونوں کو نافرمانی سے محفوظ کر دیا ہے پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام (آسمان) پر چلے گئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔"

یہ ہے نمونہ اس تعلیم کا جس کی اس غرض کے لئے اشاعت کی گئی ہے کہ اس سے نوجوان نسل اور اسلام سے بیگانہ ذہنوں کو ہدایت نصیب ہو اور وہ جان لیں کہ اسلام کے صحیح نظریات کیا ہیں۔

فہرست معطیان قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی

(۱۴ جنوری ۱۹۸۰ء سے ۱۳ فروری ۱۹۸۰ء تک وصول ہونے والے عطیات)

اسمائے گرامی	رقم	رسید نمبر	اسمائے گرامی	رقم	رسید نمبر
محترم			محترم		
۱- محمد صدیق صاحب - لاہور	۱۰۰/- روپے	۲۲۲۹	۲۴- ناصر خان یوسف زئی صاحب - لاہور	۵۰/- روپے	۲۲۵۳
۲- ایم دائی قلعدار صاحب - کراچی	۶۰۰/- 〃	۲۲۳۰	۲۵- عابد حسین صاحب - معرفت بزم طلوعِ اسلام کراچی	۳،۰۰۰/- 〃	۲۲۵۴
۳- امیر افضل خان صاحب - براٹلہ کوٹلی	۲۰۰/- 〃	۲۲۳۱	۲۶- اکرام راٹھور صاحب 〃 〃 〃	۲،۰۰۰/- 〃	۲۲۵۵
۴- ایم ایم شکیل صاحب جدّہ	۲۰۰/- 〃	۲۲۳۲	۲۷- قمر نقوی صاحب 〃 〃 〃	۱،۰۰۰/- 〃	۲۲۵۶
۵- ڈاکٹر مس ایچ بادر صاحبہ - راولپنڈی	۱۰۰/- 〃	۲۲۳۳	۲۸- آصف صدیقی صاحب 〃 〃 〃	۱،۰۰۰/- 〃	۲۲۵۷
۶- حکیم احمد دین صاحب - پنج کسّی	۱۰۰/- 〃	۲۲۳۴	۲۹- نتھو خان ملک صاحب 〃 〃 〃	۵۰۰/- 〃	۲۲۵۸
۷- شبیر احمد صاحب - چار باغ مردان	۱۰۰/- 〃	۲۲۳۵	۳۰- شفیع جاوید صاحب 〃 〃 〃	۵۰۰/- 〃	۲۲۵۹
۸- محمد یعقوب صاحب - لاہور	۳،۰۰۰/- 〃	۲۲۳۶	۳۱- یونس قریشی صاحب 〃 〃 〃	۵۰۰/- 〃	۲۲۶۰
۹- یوسف علی ضیا صاحب - اسماعیل آباد	۱،۰۰۰/- 〃	۲۲۳۸	۳۲- ڈاکٹر خان صاحب 〃 〃 〃	۵۰۰/- 〃	۲۲۶۱
۱۰- ماسٹر سید مناف صاحب - مردان	۱۰۰/- 〃	۲۲۳۹	۳۳- ایم اے مجید صاحب 〃 〃 〃	۲۰۰/- 〃	۲۲۶۲
۱۱- سعید الدین صاحب - مردان	۱۰۰/- 〃	۲۲۴۰	۳۴- عبدالرحمٰن راجن بھائی صاحب 〃 〃 〃	۱۰۰/- 〃	۲۲۶۳
۱۲- بشیر احمد صاحب - کراچی	۲۰۰/- 〃	۲۲۴۱	۳۵- عبدالمجید صاحب 〃 〃 〃	۱۰۰/- 〃	۲۲۶۴
۱۳- محمد انعام الحق صاحب - راولپنڈی	۱،۰۰۰/- 〃	۲۲۴۲	۳۶- حسن صاحب 〃 〃 〃	۱۰۰/- 〃	۲۲۶۵
۱۴- کرم الٰہی صاحب - کراچی	۱۰۰/- 〃	۲۲۴۳	۳۷- محمد ریاض صاحب 〃 〃 〃	۱۰۰/- 〃	۲۲۶۶
۱۵- حمید اللہ ماسٹر صاحب - اسطر انوالہ (میانوالی)	۱۰۰/- 〃	۲۲۴۴	۳۸- الطاف حسین صاحب 〃 〃 〃	۱۰۰/- 〃	۲۲۶۷
۱۶- بیگم ممتاز جہاں قریشی صاحبہ - لاہور	۱،۰۰۰/- 〃	۲۲۴۷	۳۹- محمد اسلم تسنیم صاحب 〃 〃 〃	۱۰۰/- 〃	۲۲۶۸
۱۷- سید معصوم علی شاہ صاحب معرفت	۱۵۰/- 〃	۲۲۴۵	۴۰- یوسف عثمان صاحب 〃 〃 〃	۱۰۰/- 〃	۲۲۶۹
مرزا علی احمد بیگ صاحب لاہور			۴۱- محمد علی صاحب 〃 〃 〃	۱۰۰/- 〃	۲۲۷۰
۱۸- مرزا علی احمد بیگ صاحب - لاہور	۲،۱۰۰/- 〃	۲۲۴۶	۴۲- بریگیڈیئر محمد احسان الحق صاحب - راولپنڈی	۵۰۰/- 〃	۲۲۷۱
۱۹- عبدالواحد رئیس صاحب - گوٹھ اولیا داد پلو نوابشاہ	۳۰۰/- 〃	۲۲۴۸	۴۳- بزم طلوعِ اسلام - پنج کسّی	۱۰۰/- 〃	۲۲۷۲
۲۰- شفیق خالد صاحب - بحرین	۵۰۰/- 〃	۲۲۴۹	۴۴- حافظ عبدالمجید صاحب - پنڈ دادن خان	۱۰۰/- 〃	۲۲۷۳
۲۱- پیر محل عزت صد بابا صاحب - ترکئی (مردان)	۱۰۰/- 〃	۲۲۵۰	۴۵- صوبیدار عبدالمجید صاحب - کمالیہ	۲،۴۰۰/- 〃	۲۲۷۴
۲۲- عبدالکریم صاحب - U.K.	۵۰۰/- 〃	۲۲۵۱	۴۶- چوہدری نصر اللہ خان صاحب - چک ۴۵ شمالی (سرگودھا)	۱،۰۰۰/- 〃	۲۲۷۵
۲۳- مسز ظفر سعید صاحبہ - سیالکوٹ	۳۰۰/- 〃	۲۲۵۲	۴۷- ماسٹر سید مناف صاحب - مردان	۱۰۰/- 〃	۲۲۷۶

اسمائے گرامی	رقم	رسید نمبر
محترم		
۴۸۔ ملک غلام مصطفےٰ اعوان صاحب ۔ ایبٹ آباد	۵,۰۰۰/- روپے	۲۲۷۷
۴۹۔ امیر انجینئرنگ کمپنی لمیٹڈ لاہور	۲۱,۰۰۰/-	۲۲۷۸
معرفت عطاء الرحمٰن رائیں صاحب لاہور		
۵۰۔ ڈاکٹر سعیدہ یاسین رائیں صاحبہ 〃 〃 〃	۱,۰۰۰/-	۲۲۷۹
۵۱۔ مسز عبدالرحمٰن رائیں صاحب 〃 〃 〃	〃 ۵,۰۰۰/-	۲۲۸۰
۵۲۔ ڈاکٹر عزیز الرحمٰن رائیں صاحب 〃 〃 〃	〃 ۵,۰۰۰/-	۲۲۸۱
۵۳۔ خلیل الرحمٰن رائیں صاحب 〃 〃 〃	〃 ۵,۰۰۰/-	۲۲۸۲
۵۴۔ ڈاکٹر رشیدہ ملک صاحبہ 〃 〃 〃	〃 ۵,۰۰۰/-	۲۲۸۳
۵۵۔ شیخ محمد غازی صاحب ۔ لاہور	〃 ۵۰/-	۲۲۸۴
۵۶۔ بیگم منیرہ (مرحومہ) معرفت	〃 ۱,۰۰۰/-	۲۲۸۵
ممتاز جہاں قریشی صاحبہ ۔ لاہور		
۵۷۔ ایم عبدالکریم صاحب ۔ کالرکہار (جہلم)	〃 ۱۰۰/-	۲۲۸۶
۵۸۔ بیگم چوہدری عبدالکریم صاحب ۔ ننکانہ صاحب	〃 ۵۰/-	۲۲۸۷
۵۹۔ احمد ایچ اچھا صاحب ۔ کراچی	〃 ۱,۰۰۰/-	۲۲۸۸
۶۰۔ عنایت اللہ خان (مرحوم)	〃 ۲۰۰/-	۲۲۸۹
معرفت عذرا چوہدری صاحبہ ۔ لاہور)		
۶۱۔ اسحاق احمد خان صاحب (TORANTO) ٹورنٹو (کینیڈا)	۴۰۰ ڈالر	۲۲۹۰
۶۲۔ احمد سلیمان اچھا صاحب 〃 〃 〃	۱۵۰ ڈالر	۲۲۹۱
۶۳۔ عمر فاروق اچھا صاحب 〃 〃 〃	۲۵۰ ڈالر	۲۲۹۲
۶۴۔ بزمِ طلوعِ اسلام کینیڈا معرفت شاہد محمود صاحب ۔ کینیڈا)	۲۰۰ ڈالر	۲۲۹۳
۶۵۔ رشید احمد بٹ صاحب ۔ بریڈفورڈ (U. K.)	۲,۰۰۰/- روپے	۲۲۹۴
۶۶۔ محمد اکرام صاحب معرفت رشید احمد بٹ صاحب بریڈفورڈ (U.K.)	〃 ۸۸/-	۲۲۹۵
۶۷۔ صوفی عنایت اللہ صاحب معرفت بزمِ طلوعِ اسلام لاہور	〃 ۱۰۰/-	۲۲۹۶
۶۸۔ ساجد امین صاحب 〃 〃 〃	〃 ۵۰/-	۲۲۹۷
۶۹۔ محمد نذیر صدیقی صاحب 〃 〃 〃	〃 ۵۰/-	۲۲۹۸
۷۰۔ عبدالواحد صاحب 〃 〃 〃	〃 ۱۰۰/-	۲۲۹۹

اسمائے گرامی	رقم	رسید نمبر
محترم		
۷۱۔ سید رشید احمد صاحب معرفت بزمِ طلوعِ اسلام ۔ لاہور	۵۰/- روپے	۲۳۰۰
۷۲۔ بیگم سکندرہ سلام صاحبہ والدہ خالد سلام صاحب 〃 〃 〃	〃 ۵۰/-	۲۳۰۱
۷۳۔ مختیار قیوم صاحب 〃 〃 〃	〃 ۱۰/-	۲۳۰۲
۷۴۔ احمد شہزاد صاحب 〃 〃 〃	〃 ۱۰/-	۲۳۰۳
۷۵۔ ڈاکٹر شاہد امین حمید صاحب 〃 〃 〃	〃 ۵۰/-	۲۳۰۴
۷۶۔ ایم ایم خلیل صاحب 〃 〃 〃	〃 ۱۰۰/-	۲۳۰۵
۷۷۔ فیصل اخلاق صاحب 〃 〃 〃	〃 ۱۰/-	۲۳۰۶
۷۸۔ منیرہ تبسم صاحبہ معرفت اخلاق احمد صاحب 〃 〃 〃	〃 ۱۰۰/-	۲۳۰۷
۷۹۔ عبدالعزیز صاحب 〃 〃 〃	〃 ۵۰/-	۲۳۰۸
۸۰۔ احباب کویت بوساطت ۔۔۔ محمد سرور خان صاحب۔ اس میں ۔۔۔ نصیر الدین اعوان صاحب کی جانب سے ۱۰ دینار ۔۔۔ ماسٹر سراج دین صاحب کی جانب سے ۵ دینار ، اور ۔۔۔ ماسٹر محمد شفیع صاحب کی جانب سے ۳۰ دینار شامل ہیں	〃 ۵,۰۰۰/-	۲۳۰۹
۸۱۔ محمد صفدر خان دُرانی صاحب سرخکی (پشاور)	〃 ۱,۰۰۰/-	۲۳۱۰
۸۲۔ نصیر احمد صاحب ۔ کراچی	〃 ۱۰/-	۲۳۱۱
۸۳۔ مفتی غلام محمد صاحب ۔ کرک (کوہاٹ)	〃 ۹/-	۲۳۱۲
۸۴۔ محمد مبارک عباسی صاحب		
معرفت محمد ارشاد صاحب چارہان (مری)	〃 ۱۰/-	۲۳۱۳
۸۵۔ محمد ارشاد صاحب 〃 (مری)	〃 ۲۵/-	۲۳۱۴
۸۶۔ مِس روبینہ فیض صاحبہ ۔ کراچی	〃 ۱۰۰/-	۲۳۱۵
۸۷۔ علی حسین صاحب ۔ ملتان کینٹ	〃 ۲۰/-	۲۳۱۶
۸۸۔ ولی اللہ صاحب معرفت بزمِ طلوعِ اسلام لاہور ۔	〃 ۱۰/-	۲۳۱۷
۸۹۔ معرفت بزمِ طلوعِ اسلام لاہور	〃 ۱۱/-	۲۳۱۸
۹۰۔ بہن فاطمہ میمن صاحبہ کیٹی بندر	〃 ۱,۰۰۰/-	۲۳۱۹
۹۱۔ چوہدری غلام احمد صاحب معرفت بزمِ طلوعِ اسلام ۔ لاہور	〃 ۳۰/-	۲۳۲۰
۹۲۔ ڈاکٹر محمد اکرم صاحب 〃 〃 〃	〃 ۱۰۰/-	۲۳۲۱

میزان = ۸۶,۲۳۳ روپے + ۸۰۰ ڈالر (کینیڈین)

میزان سابقہ = ۱,۳۶,۹۲۰

کل میزان = ۲,۲۳,۲۵۳ + ۸۰۰ ڈالر (کینیڈین)

قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی

معطیانؒ کی خدمت میں

قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کی اپیل پر جن احباب نے نہایت خندہ پیشانی سے اپنے عطیات سے نوازا ہے۔ انہیں اس کی جزا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ملے گی لیکن قرآنک سوسائٹی کے ارباب حل وعقد واراکین ان کے بدل شکرگزار ہیں۔ عطیوں کی فہرست "طلوعِ اسلام" میں ساتھ کے ساتھ شائع ہو رہی ہے۔ احباب سے گذارش ہے کہ وہ اسے چیک کر لیا کریں اور اگر کسی جگہ کوئی سہو نظر آئے تو اس سے ہمیں مطلع فرمائیں۔ سوسائٹی کی آمد و خرچ کا باضابطہ حساب رکھا جاتا ہے اور اسے نہایت باقاعدگی سے آڈٹ بھی کرایا جاتا ہے۔

۲۔ آج سے قریب پندرہ سال پہلے بانیٔ تحریک جناب محترم پرویز صاحب کے دل میں قرآنی درسگاہ کا خیال اُبھرا اور ۱۹۶۵ء میں اس کے لیے حصولِ اراضی کی جد وجہد شروع کی گئی۔ عطیات کا آغاز بھی اسی زمانے سے ہو گیا تھا۔ یہ دس سال کا عرصہ جس کشمکش میں گذرا اس کی تفصیل سوسائٹی کی طرف سے شائع کردہ پمفلٹ میں آپ کی نظر سے گذر چکی ہوگی۔ اس ناگزیر تاخیر سے جہاں ان مقاصد کو نقصان پہنچا، وہاں یہ بھی ہوا کہ عمارات کی تعمیر کے اخراجات اس قدر زیادہ بڑھ گئے جو وہم و گمان میں بھی نہیں تھے۔ اس سے واضح ہے کہ ان اخراجات کا جو اندازہ ۱۹۶۵ء میں ہمارے پیش نظر تھا، اس سے اب کئی گنا زیادہ خرچ آئے گا اور اسی نسبت سے ان عطیات میں اضافہ کرنا بھی ضروری ہوگا۔ جو احباب عطیات بھیج چکے ہیں وہ اس پر نظر ثانی فرمائیں اور جو ابھی انتظار میں ہیں وہ اپنے عطیہ کی رقم متعین کرتے وقت اس کا خاص طور پر خیال رکھیں۔

۳۔ احباب اپنے عطیات بھیجنے میں تساہل یا تاخیر نہ فرمائیں تعمیر کا کام ابتدائی اخراجات کے مطابق رقم جمع ہونے کے بعد ہی شروع کیا جا سکے گا۔

۴۔ سنٹرل بورڈ آف ریونیو حکومت پاکستان کے نوٹیفکیشن SRO NO. 454 (K)/65، مورخہ ۴ر اگست ۱۹۶۵ء کی رو سے قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کو دیئے جانے والے عطیات انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔

۵۔ سوسائٹی کا اکاؤنٹ حبیب بینک مین مارکیٹ برانچ گلبرگ ۲۔ لاہور میں کھلا ہوا ہے اور اس کا نمبر S.B. 6239 ہے۔ تمام چیک یا بینک ڈرافٹ قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی (رجسٹرڈ) کے نام کاٹے جائیں اور مرزا محمد خلیل خان، سوسائٹی کے نام B-25، گلبرگ 2۔ لاہور کے پتے پر بھیجے جائیں۔ منی آرڈروں پر بھی یہی لکھا جائے۔

منتظر کرم

(شیخ) سراج الحق سیکرٹری قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی

محترم پرویز صاحب کا
درسِ قرآن

بزم طلوع اسلام ہر ماہ کے پہلے اتوار کو ڈھائی بجے دوپہر (بذریعہ ٹیپ)

لندن (انگلینڈ)

149 SUTTON COURT RD
LONDON E-13 - 9NR
PHONE 01 - 552 - 1517

لاہور میں ہر جمعہ ۹½ بجے صبح (فون ۸۸۰۸۰۰)
۲۵/بی۔ گلبرگ ۲ نزد پولیس اسٹیشن

فیصل آباد میں ہر جمعہ ۳½ بجے شام (بذریعہ ٹیپ)
حیات سرجری کلینک ۲۳/ء پیپلز کالونی ۲
(فون 27455)

کراچی میں ہر جمعہ کو ۹½ بجے صبح (بذریعہ ٹیپ) کتب خانہ
بزم طلوع اسلام۔ کمرہ نمبر ۲۳ ہارون چیمبرز
الطاف حسین روڈ۔ نیو چالی۔ کراچی ۲

گوجرانوالہ میں ہر جمعہ ۴ بجے شام (بذریعہ ٹیپ) رہائش گاہ
چوہدری مقبول شوکت۔ گل روڈ سول لائنز
(بالمقابل پرانا ریلوے اسٹیشن)

پشاور میں ہر جمعہ ۹ بجے صبح (بذریعہ ٹیپ) بر مکان۔ آغا
محمد ادریس صاحب۔ رفیقی لین صدر۔ بالمقابل وی آئی پی
مین گیٹ۔ پشاور سٹیڈیم۔ بارہ روڈ (فون ۷۴۲۵۹)

گجرات میں ہر جمعہ بعد نماز جمعہ نیز بروز اتوار ۴ بجے شام
بمقام ۱۲/۱/بی بھمبر روڈ (بذریعہ ٹیپ)

مردان میں ہر جمعہ ۸ بجے شام (بذریعہ ٹیپ)
بر مکان ڈاکٹر رضا محمد خان۔ نواب علی روڈ

جلالپور جٹاں میں ہر جمعہ بعد نماز جمعہ (بذریعہ ٹیپ)
دفتر بزم طلوع اسلام (بازار کلاں)

راولپنڈی میں ہر جمعہ ۵ بجے شام (بذریعہ ٹیپ)
جی ۱۲۶۔ لیاقت روڈ

ملتان میں ہر جمعہ ۱۰ بجے صبح (بذریعہ ٹیپ)
دفتر شاہ سنز بیرون پاک گیٹ۔ (فون ۳۱۰۷۱)

لیہ (بذریعہ ٹیپ) ہر جمعہ بعد نماز مغرب
رہائش گاہ ڈاکٹر اظہر ملک صاحب سرکلر روڈ۔ لیہ

پنج کستی میں ہر جمعہ (بذریعہ ٹیپ) بوقت ۳ بجے شام
(تحصیل کبیر والا ضلع ملتان) بمقام مطب حکیم احمد الدین صاحب
نمائندہ بزم طلوع اسلام

ضرورت رشتہ

ریٹائرڈ انجینئر کی بائیس سالہ بی اے۔ خوش شکل۔ نیک سیرت۔ قرآنی فکر رکھنے والی۔ امورِ خانہ داری میں ماہر لڑکی کے لئے مناسب رشتہ درکار ہے۔ کوائف پہلے خط میں تحریر کیجئے۔ (خط و کتابت بصیغۂ راز)

ع۔ ی۔ معرفت ناظم ادارہ طلوع اسلام ۲۵/بی گلبرگ ۲۔ لاہور